مجلّہ

سہ ماہی

رشد و ہدایت

۱ اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۷ء



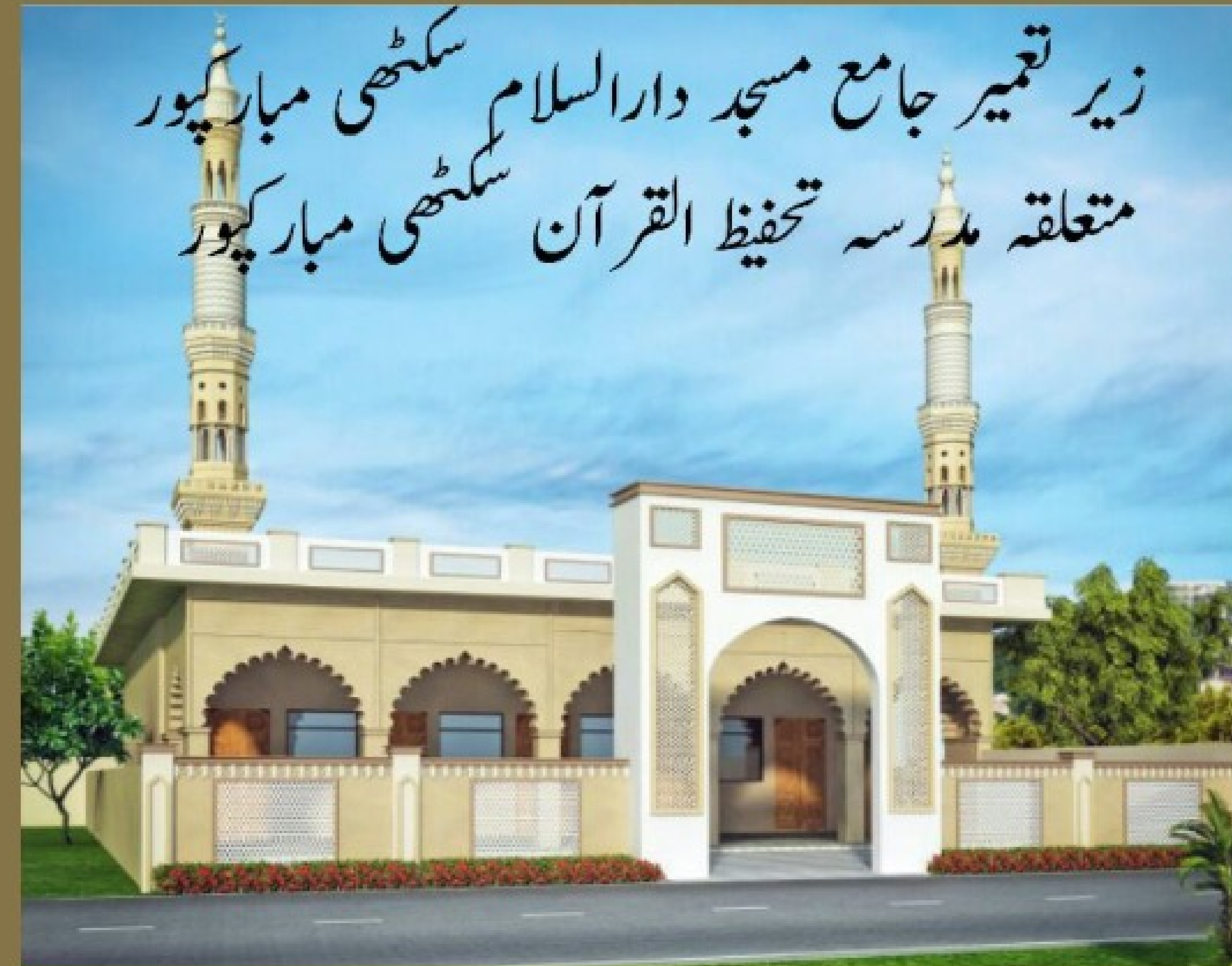
مدیر تحریر

مولانا ضیاء الحق خیرآبادی

مدیر مسئول

مولانا عبد العظیم قاسمی

مرکزِ اشاعت
مدرسہ تحفیظ القرآن
سکٹھی، مبارکپور، ضلع اعظم گڑھ (یو۔پی۔) 276404
Email: zeyaulhaquekbd@gmail.com





MADRASA TAHFIZUL-QURAN
Sikthi, Mubarakpur, Aazamgarh (U.P.) 276404
Email: zeyaulhaquekbd@gmail.com

مدرسہ تحفیظ القرآن سکٹھی مبارکپور کا دینی وعلمی واصلاحی ترجمان

سہ ماہی

مجلّہ رُشد وہدایت

جلد نمبر:۳ | محرم تا ربیع الاول ۱۴۳۹ھ (اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۷ء) | شمارہ نمبر:۱

زیر نگرانی: مولانا ضیاء الدین صاحب قاسمی ندوی، استاذ مدرسہ تحفیظ القرآن

مرکزِ اشاعت: **مدرسہ تحفیظ القرآن**

سکٹھی، شاہ محمد پور، پوسٹ مبارکپور، ضلع اعظم گڈھ (یوپی) 276404

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

زرِ تعاون

سالانہ: 100/=

فی شمارہ: 25/=

خصوصی: 1000/=

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں ہے

افتتاحیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کلیدِ کامیابی: اتباعِ رسول

مولانا عبدالعظیم صاحب قاسمی

ربیع الاول کا مہینہ عام طور پر سیرت النبی ﷺ کے تذکروں سے مشکبار ہوتا ہے، خاص طور پر ہمارے ہندوستان، پاکستان اور بنگلا دیش میں سیرت کے جلسوں اور کانفرنسوں کا بہت اہتمام ہوتا ہے، امام الانبیاء رسول کائنات ﷺ کی سیرت طیبہ اور حیات مبارکہ کے مختلف گوشوں پر پیشہ ور مقررین، واعظین اور خطباء وشعراء والہانہ انداز میں جب جھوم جھوم کر روشنی ڈالتے ہیں، آپ ﷺ کے شب وروز کی فصیح وبلیغ عبارت اور مقفع ومسجع الفاظ کے ذریعہ منظر کشی کرتے ہیں تو سننے والوں پر وجد وکیف طاری ہو جاتا ہے جلسہ گاہیں نعرہ رسالت اور نعرہ تکبیر سے گونج اٹھتی ہیں، نوجوانوں، بزرگوں، بچوں، عورتوں کا جوش وولولہ دیدنی ہوتا ہے، بڑے بڑے جلوس نکالے جاتے ہیں، جھنڈے بینر، ہورڈنگ کی بھرمار ہوتی ہے، نعت ومنقبت سے کیف وسرور پیدا ہوتا ہے، اور محسوس ہوتا ہے کہ شاید اب ربیع الاول سے مسلمانوں کی زندگی میں انقلاب آجائے گا، کاروان محبت وعقیدت پھر سے سوئے یثرب رواں دواں ہوگا، قافلہ ایمان وعزیمت نئے عزم وحوصلہ کے ساتھ شاہراہ عمل پر گامزن ہوگا، اسلامی وحدت اور ایمانی اخوت کی بادِ بہاری چلے گی، سردلہو میں عمل صالح کی حرارت پیدا ہوگی اور دنیا بہت جلد اسی اخلاص وللّٰہیت، اطاعت وعبادت اور وحدت ومساوات کا وہی روحانی منظر دیکھے گی جو گذشتہ صدیوں میں مسلمانوں کی شناخت تھی اور مسلمانوں کی قوت وطاقت، شان وشوکت کا پرچم لہراتا تھا، اور ان کی عظمت وحشمت کا ڈنکا بجتا تھا، یہ سب کچھ ثمرہ تھا اتباعِ سنت اور اطاعتِ رسول کا۔

لیکن افسوس صد افسوس کہ ماہِ ربیع الاول کا جوش وجذبہ اور شوق وولولہ نقش برآب ہوتا ہے چند دن کی ہماہمی، شعلہ بیانی، لن ترانی اور داستان گوئی کا یہ سلسلہ ایک رسم دیرینہ سے آگے نہیں بڑھ پاتا، لاکھوں، کروڑوں روپئے پنڈالوں کی آرائش، ہورڈنگوں، بینروں، قمقموں اور جھالروں کی بہتات، مقررین وشعراء کے بھاری بھرکم نذرانوں، گلا پھاڑ پھاڑ کر لگائے گئے نعروں، محبت والفت

کے ترانوں سے حظ نفس تو حاصل ہوتا ہے، مگر دل کی دنیا محبت رسول سے آباد نہیں ہوتی، عمل و کردار، سیرت و اخلاق میں طاعت رسول کی حلاوت نہیں پیدا ہوتی، آخر کیوں؟؟؟

سیرت النبی ﷺ کے تذکروں اور جلسوں سے اگر ہمارے اندر انقلاب نہیں آیا، زندگی معاصی وسیئات سے ہٹ کر عبادات وطاعات کی راہ پر نہیں آتی تو یہ دلیل ہے کہ ہم روایات ورسومات کے پابند ہیں، مشرکین کے روایتی مذہبی تہواروں کی نقالی کرتے ہیں، جب کہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت کو ہمارے لئے اسوۂ حسنہ بنایا گیا ہے، سننے سنانے کی کہانی نہیں بلکہ ایک قدرتی اصول اور آسمانی ہدایت ہے کہ جب تک اتباعِ رسول نہیں ہوگا کامیابی کی منزل نہیں ملے گی، اللہ کی خوشنودی نہیں حاصل کرسکو گے، ہم دنیا کے تمام قوانین کو اختیار کرلیں قدیم وجدید تمام تہذیبوں کو اپنالیں، دوسری ترقی یافتہ کہلانے والی قوموں کی نقالی کرلیں مگر گو ہر مراد حاصل کرسکتے ہیں عظمت رفتہ کو واپس لا سکتے ہیں، تو سیرت النبی کو عملی طور پر اخلاص کے ساتھ صد فیصد اختیار کرنے کی کوشش اور فکر ہی ایک واحد ذریعہ ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران) اے رسول آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو (بدلہ میں) اللہ تم سے محبت فرمائیں گے۔ اور اس محبت کا ثمرہ گناہوں کی بخشش، درجات کی ترقی، دنیا وآخرت کی مثالی کامیابی کی شکل میں ملے گا، صحابۂ کرام کی دانائی اور عقل مندی پر قربان جایئے کہ انھوں نے قرآن کے اس صریح حکم کو ''اتباعِ رسول کلیدِ کامیابی'' کے عنوان سے قبول کیا اور سراپا اطاعت بن گئے۔ وہ لوگ عملی انسان تھے، ان کی محبت سیرۃ النبی کے جلسوں، شان رسالت کے نعروں، تقریروں، نعتوں، اور ترانوں سے نہیں، ان کے اخلاق وکردار اور اعمال وافعال سے ظاہر ہوتی تھی، سیرۃ النبی ان کی زندگی کے شب وروز کا حصہ بن گئی تھی، دنیا نے ان کی شکل وصورت اور رہن سہن میں رسول اللہ ﷺ کا عکس دیکھا تھا، اور ان کے قدموں پر سر جھکایا تھا۔ لیکن ہم؟ جب ہمارے نعرے اور ترانے خود ہمیں عملی نہیں بنا پاتے تو دنیا کو کیا بنا پائیں گے، آج دنیا کو اس کی فرصت نہیں ہے کہ وہ سیرت رسول کا مطالعہ کر کے رسول کی اصل زندگی تک رسائی حاصل کر سکے وہ تو عملی نمونوں کو دیکھ کر ہی اندازہ لگائے گی کہ ان کے رسول کیسے تھے، اس لئے خدارا اپنے کردار وعمل سے اپنے رسول کی رسوائی کا سبب تو نہ بنئے۔ باری تعالیٰ ہمیں رسول کی سچی اتباع کی توفیق بخشیں۔ آمین

اداریہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آغاز سخن

از:۔ مدیر تحریر

مسلمانانِ ہند ۱۹۴۷ء سے ۲۰۱۷ء تک

(بدلتے بگڑتے حالات اور آئندہ کا لائحۂ عمل؟)

ملک کی آزادی کے بعد تقسیم ملک کے نتیجے میں ہندوستان کے مسلمان اپنی حیثیت و وقعت کھو بیٹھے، پاکستان بننے کی پاداش میں ان کو کنارے لگانے اور بے اثر بنانے کی پالیسی پر آہستہ آہستہ کارروائیاں ہونے لگیں، کانگریس برسر اقتدار تھی، وہ کھل کر کوئی ایکشن نہیں لے سکتی تھی اس لئے کہ ابھی تحریک آزادی میں جان کی بازی لگانے والے علماء کرام اور جمعیۃ علماء کے اکابر موجود تھے، پنڈت نہرو مسلمانوں کے معاملہ میں نسبتاً معتدل سمجھے جاتے تھے لیکن مسلمان ان کی حلق سے بھی نہیں اتر رہے تھے، اس لئے اسی وقت سے مسلمانوں کو بے اثر بنانے کی خفیہ کوششیں شروع ہو چکی تھیں، تمام اداروں کو یہ سرکلر جاری کیا گیا کہ مسلم بیوروکریٹ آفیسران کو حساس محکموں سے دور رکھا جائے، اور غیر اہم عہدوں پر انھیں تعینات کیا جائے۔ دوسری طرف فرقہ وارانہ فسادات ہندوستانی مسلمانوں کا مقدر بن گئے، جس کے ذریعہ ان کو معاشی اور اقتصادی طور پر کمزور کیا جاتا رہا، یہ کس قدر حیرت ناک بات ہے کہ نصف صدی کی طویل مدت میں آج تک فسادات میں کسی مجرم کو سزا نہیں دی گئی، جمعیۃ علماء ہند کے اس مطالبہ کو کبھی حکومت نے لائق اعتنا نہیں سمجھا کہ جہاں فساد ہوگا وہاں کے ڈی ایم اور ایس پی کو قصوروار سمجھا جائے گا اور انھیں سزا دی جائے گی، اگر اس طرح کا قانون بنا دیا جاتا تو شاید فسادات کی نوبت آتی ہی نہیں۔ ۱۹۹۵ء تک فسادات کی پالیسی چلتی رہی، اس کے بعد طریقۂ کار میں تبدیلی لائی گئی۔ نیا پلان پاکستان کی خفیہ ایجنسی آئی۔ ایس۔ آئی سے طلبہ و مدارس اور مساجد کو جوڑنا تھا، بہت

شدومد کے ساتھ اس موضوع کو اٹھایا گیا، دھڑ ادھڑ گرفتاریاں اور جیل بھیجنے کی کاروائیاں ہونے لگیں۔ میڈیا کی مدد سے اس موضوع کو خوب ہوا دی گئی، ہندوستان کا میڈیا (پرنٹ والیکٹرانک) انھیں ہاتھوں میں ہے جو ہندوستان کو ہندوراشٹر یہ بنانے کا پلان بنائے ہوئے ہیں، اوراب تو اس بات کو ہر خاص وعام محسوس کرنے لگا ہے۔ آج میڈیا کا کردار جانبدارانہ ہی نہیں انتہائی متعصّبانہ بھی ہے۔

تیسرا دوراس وقت شروع ہوا جب ورلڈ ٹریڈ سینٹر کو اڑائے جانے کے بعد اسلامی دہشت گردی کا عنوان گڑھ کر عالمی پیمانہ پر مسلمانوں کے خلاف ماحول سازی شروع ہوئی، تو ہندوستان کی سطح پر یہاں کی فرقہ پرست طاقتوں نے بھی اس میں کھل کر حصہ لیا اور اتفاق سے اس وقت یہاں بی جے پی کی حکومت بھی تھی، جس میں اس وقت کے وزیر داخلہ اور نائب وزیراعظم لال کرشن اڈوانی کا طوطی بولتا تھا اس وقت یہاں کی شدت پسند تنظیموں نے بم دھماکوں کا سلسلہ شروع کیا، جیسے ہی کہیں بم، دھماکا ہوتا تو چند گھنٹوں کے اندر یک طرفہ مسلمانوں کی گرفتاریاں شروع ہوجاتیں جیسے خفیہ ایجنسیوں کو پہلے ہی سے سب معلوم تھا، میڈیا اس کے لئے تیار بیٹھا رہتا کہ اس کی تشہیر شروع کردے، اس طرزعمل سے نہ جانے کتنے مسلم نوجوانوں کی زندگی تباہ وبرباد ہوئی اور نہ جانے کتنے خاندان اجڑ گئے۔ اس کی تفصیلات کے لئے مہاراشٹر کے آئی ایس آفیسر ایس ایم مشرف کی کتاب ''کرکرے کا قاتل کون؟'' ضرور پڑھنا چاہئے، یہ کسی مسلمان جماعت کی نہیں ایک ذمہ دار آفیسر کی شہادت ہے۔ جمعیۃ علماء ہند نے جب ان کیسوں میں حصہ لیا اور اس کی مساعی سے سیکڑوں مسلم نوجوان بری ہوگئے تب ملک کے لوگوں کو سمجھ میں آیا کہ حقیقت کیا ہے۔ اس سلسلہ کا خاتمہ بڑے عجیب انداز میں ہوا جب ایک محبّ وطن آفیسر ہیمنت کرکرے نے ان شدت پسند تنظیموں کی سازشوں اور کاروائیوں کو طشت ازبام کردیا، لیکن اس کے لئے ان کو اپنی جان کی قربانی دینی پڑی۔ لیکن اس مردمیداں انصاف پسند آفیسر نے مسلمانوں کے حق میں جو کام کردکھایا اسے تاریخ ہند کا ایک سنہرا باب بن گیا جسے کوئی بھی محبّ وطن ہندوستانی فراموش نہیں کرسکتا۔

۲۰۱۴ء میں پی ایم مودی کی سحرطراز خطابت، جھوٹے وعدے اور ترقیاتی منصوبوں کا سبز باغ دکھا کر بی جے پی مکمل اکثریت کے ساتھ اقتدار میں آگئی اور یہیں سے مسلمانوں کے سیاہ دن کی کھلے عام شروعات ہوگئی، یہ پارٹی آر ایس ایس کی سیاسی شاخ ہے، اس کے اقتدار میں آتے ہی موہن بھاگوت نے کہا تھا سات سوسال کے بعد ہندوستان ''ہندو اسٹیٹ'' بنا ہے۔

چونکہ اس حکومت کی نیت پہلے ہی سے خراب ہے اور نظم وانتظام کی صلاحیت سے بھی عاری ہے اس لئے ہر محاذ پر ناکام ہے، لیکن اس کے پالیسی ساز نفسیات انسانی کے ماہر اور انتہائی ذہین افراد ہیں اس لئے تمام تر ناکامی کے باوجود رائے شماری کے اعتبار سے یہ ایک مقبول حکومت ہے، اس نے ہندو مسلم نفرت کے ایشو کو سب سے اوپر رکھا ہے، ہندو اکثریت کے مذہبی جذبات کے کھیلنے کا ہنر اگر کسی کے پاس ہے وہ یہی حکومت ہے، جذبات کے اسی کھلواڑ کی وجہ سے نوٹ بندی، جی ایس ٹی یا سرحد پر کشیدگی اور فائرنگ، لاکھوں لوگوں کا روزگار سے ہاتھ دھودینا، مہنگائی، عوام کی غربت وبدحالی کے باوجود لوگ کود کود کر مودی جی کے نعرے لگا رہے ہیں، ایسا کیوں ہے؟ اسی لئے نا کہ مسلمانوں کی نفرت ودہشت ہندو عوام کے دلوں میں بٹھادی گئی ہے اور یہ حکومت ہر چند دنوں کے بعد کوئی نہ کوئی ایسا مسئلہ لے آتی ہے جو مسلمانوں کے دینی شعائر پر ایک حملہ ہوتا ہے۔

جیسے تین طلاق کا مسئلہ، اس حساس مسئلہ پر بہت کچھ لکھا جاچکا ہے، اس لئے میں اس کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتا، لیکن اس کے مضمرات اور سنگینیت کا لوگوں کو اندازہ نہیں ہے، اس کے قانونی پوائنٹ کو جس ماہرانہ انداز میں سیٹ کیا گیا ہے اس سے عزائم کا پتہ چلتا ہے، اس بل میں اس کو دیوانی کے بجائے کرمنل معاملہ بنایا ہے اور ناقابل ضمانت جرم بتایا گیا ہے، اور اس کی ایک خطرناک شق یہ ہے کہ اس میں بیوی کے علاوہ گاؤں یا شہر کا کوئی بھی فرد ایف آئی آر درج کراسکتا ہے جس کے بعد پولیس شوہر گرفتار کرسکتی ہے۔

اس کا ایک دوسرا افسوسناک پہلو یہ ہے کہ مفاد پرست نام نہاد مسلم اراکین پارلیمنٹ کے ذریعہ بھی حکومت بحث کرارہی ہے جیسے ایم جے اکبر جیسے دین بیزار ممبر پارلیمنٹ فقیہ ومفسر بن کر بول رہے ہیں، تو دوسری طرف اسدالدین اویسی اور کیرالا کے ایک مسلم رکن کے علاوہ کسی نے بھی اس مسئلہ کی حمایت میں لب کشائی نہیں کی، یہ بات ہمیں سبق دیتی ہے کہ اپنی پارٹی کے رویہ اور نظریہ سے ہٹ کر بحیثیت مسلم قوم کے کوئی کچھ کہنے والا نہیں ہے، پہلے نمبر پر عہدہ ودولت اور مفاد ہے اس کے بعد یہ مسلمان ہیں، اور یہ کوئی پہلا تجربہ نہیں ہے۔

ابھی طلاق ثلاثہ کا مسئلہ راجیہ سبھا میں ناکام ہونے کے سبب معلق ہے کہ صوتی آلودگی کا مسئلہ اٹھادیا گیا، عدالت نے حکم دیا ہے کہ تمام مذہبی مقامات سے بلا اجازت لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کو ۲۰؍جنوری تک بند کیا جائے، یا پھر وہی چل سکتے ہیں جن کے پاس پرمیشن ہوگا۔صوتی آلودگی ایک

اہم مسئلہ ہے مگر مذہبی مقامات ہی کیوں، شادی بیاہ اور تقریبات کا شور، گاڑیوں کا شور، یہ سب صوتی آلودگی کے خطرناک ذرائع ہیں تو ہر قسم کے شور پیدا کرنے والے آلات پر پابندی لگائی جائے۔

یہ وہ حالات ہیں جن کا سامنا آزادی کے بعد سے مسلمان کررہے ہیں، لیکن پانچ سال سے جس طرح کے حالات بنادئے گئے ہیں اور دن بدن مسلمانوں پر جو شکنجہ کسا جارہا ہے، ان میں مسلمانوں کو سوچنا ہے کہ ان کا مستقبل ہندوستان میں کیسا ہوگا اوران کا لائحہ عمل اب کیا ہوگا، وہی مسلکی جھگڑے اور آپسی اختلافات کی پرانی روش یا پھر من حیث القوم ایک متحد زندگی؟ اور اسی سوال کے جواب میں ہندوستانی مسلمانوں کا مستقبل پوشیدہ ہے۔

☆☆☆☆☆

بقیہ ص:۲۹ کا

پانی کی ایک بڑی بوتل میں گھر کے لئے دس لیٹر آب زمزم بھرا گیا، عجوہ اور کچھ دیگر کھجوریں خریدی گئیں اور پھر ہوٹل واپسی ہوگئی۔ اگلا دن بعد نماز ظہر ہماری گھر واپسی کا دن تھا چنانچہ صبح سویرے ہی ساری تیاری مکمل کر لی گئی تا کہ زیارت بیت اللہ کا ایک اور موقع میسر ہوجائے چنانچہ دس بجے صبح ایک بار پھر بیت اللہ حاضری ہوئی اور کعبۃ اللہ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ کچھ دیر بعد واپسی ہوئی اور وقت متعین پر بس میں آکر سوار ہوگئے۔ بس اسٹارٹ ہوئی اور مکہ مکرمہ وریاض کے درمیان راستہ کی یہ طویل مسافت طے کرتے ہوئے ایک بار پھر ہمیں وہیں لاکر اتار دیا جہاں سے ایک ہفتہ قبل روانہ ہوئے تھے اور ایک بار پھر وہی مشق سخن اور چکی کی مشقت۔

اپنے ناگفتہ بہ حالات کے پیش نظر ہمیشہ کی طرح اس مرتبہ بھی یہ خیال دامنگیر رہا کہ:

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل — نسیم صبح تیری مہربانی

اللہ تعالیٰ نے اس مقام کو جو رفعتیں بخشی ہیں ان کی عظمت شان کا تقاضا تو یہ تھا کہ ہم جیسوں کو یہاں پر مارنے کی بھی اجازت نہ ہوتی لیکن یہ انہیں کی عطا اور حضور رحمۃ للعالمین کا صدقہ ہے کہ بار بار حاضری کا موقع عنایت فرمایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس حاضری کو خالص لوجہ الکریم بنادے اور اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت سے نواز دے۔ آمین یارب

16 جنوری 2018 ، بروز منگل

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حقوق وفرائض اور احتساب نفس

مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمیؒ

يَـا اَيُّهَـا الَّذِيْنَ امَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوْا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْـرٌ بِـمَـا تَـعْـمَلُوْن (سورۃ الحشر:۱۸) اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو، اور چاہئے کہ ہر شخص دیکھ لے کہ کل کے لئے کیا بھیجا ہے، اور ڈرتے رہو اللہ سے لا ریب کہ اللہ ان تمام کاموں کو جانتے ہیں جو تم کرتے ہو۔

اس دنیا میں آدمی کی......فرد کی بھی اور معاشرہ کی بھی......خوش بختی کا ایک عنوان، بڑا عنوان، اہم عنوان یہ ہے کہ وہ اپنی طبیعت، اپنے اعمال، اپنے احوال اور اپنے ماحول کا جائزہ لیتا رہے انصاف کے ساتھ، ہمت کے ساتھ، حوصلے کے ساتھ! انصاف کا مطلب یہ ہے کہ اپنے احوال واعمال اور معاشرہ وماحول کی اچھی بری چیزوں کو تمیز کرے، جو کچھ اچھا ہے، وہ تو خیر اچھا ہے، جو برا ہے، اسے برا تسلیم کرے، اور ایسا نہ ہو کہ برے کو محض فریبِ نفس میں مبتلا ہو کر یا دوسرے کو مغالطہ میں رکھ کر اچھا ثابت کرنے کے درپے ہو جائے۔

ہمت کا مطلب یہ ہے کہ برے کو برا مان کر خاموش بیٹھ نہ جائے، بلکہ اسے دور کرنے اور اس سے پاک ہونے کی ہمت اپنے اندر پائے، اور اگر نہ پائے، تو پیدا کرنے کی تدبیر کرے۔

اور حوصلہ سے مراد یہ ہے کہ اچھے کاموں کو آگے بڑھانے، اسے عام کرنے، اور انھیں خوب سے خوب تر بنانے کی فکر کرے، اس کا اہتمام کرے، اور لوگوں کی طعنہ زنی، حوصلہ شکنی اور اعتراض وانکار کی وجہ سے سست اور ناکارہ ہو کر تعطل کا شکار نہ ہو جائے۔

جب تک کسی قوم میں یا فرد میں اپنے احتساب کا جذبہ اور حوصلہ ہوتا ہے، اسے ترقی حاصل ہوتی رہتی ہے، خوب سے آگے بڑھ کر خوب تر کی منزل تک اس کی رسائی ہوتی رہتی ہے۔

امام ترمذی نے اپنی کتاب الجامع میں مشہور صحابی حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کے

حوالے سے رسول اللہ ﷺ کا ایک ارشاد نقل کیا ہے، آپ فرماتے ہیں:

الکیس من دان نفسه، وعمل لما بعد الموت، والعاجز من اتبع نفسه هواها وتمنى على الله. دانا وہ ہے، جو اپنے نفس کا حساب لے، اور موت کے بعد والی زندگی کے لیے عمل کرے، اور نادان وہ ہے، جو اپنے نفس کو اس کی خواہش کے پیچھے چھوڑ دے، اور اللہ سے تمنائیں باندھے۔

امام ترمذی علیہ الرحمہ نے **من دان نفسه** کا مطلب یہ لکھا ہے **يحاسب نفسه في الدنيا قبل أن يحاسب يوم القيامة.** آدمی دنیا میں، قیامت کے دن کے حساب سے پہلے اپنا حساب لے لے، پھر انھوں نے امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ایک قول نقل کیا ہے، فرماتے ہیں: **حاسبوا انفسكم قبل أن تحاسبوا وتزينوا للعرض الاكبر وإنما يخف الحساب يوم القيامة على من حاسب نفسه في الدنيا.** تم اپنا حساب اس سے پہلے لے لو کہ تمھارا حساب لیا جائے، اور بڑی پیشی کے لئے اپنے کو بنا سنوار لو، قیامت کے دن اسی آدمی کا حساب ہلکا ہوگا، جس نے دنیا میں اپنا حساب کر رکھا ہوگا۔

پھر امام ترمذی نے مشہور تابعی امام حضرت میمون بن مہران علیہ الرحمہ کا ارشاد نقل کیا ہے: **لا يكون العبد تقيا حتى يحاسب نفسه كما يحاسب شريكه من اين مطعمه وملبسه.** بندہ اس وقت تک متقی نہیں ہوسکتا، جب تک اپنا حساب اپنے نفس سے اس طرح نہ لے، جس طرح وہ اپنے شریک (تجارت وغیرہ) سے لیتا ہے، کہ کھانا کہاں سے ہے، لباس کہاں سے ہے؟ (ترمذی شریف ابواب صفۃ القیامہ: **باب الكيس من دان نفسه**)

امام ترمذی کا عام دستور یہ نہیں ہے کہ وہ حدیث کے معنی ومطلب پر اتنی تفصیل سے کلام کریں، جتنا مفصل کلام یہاں کیا ہے، وہ حدیث پر فن حدیث کے اصول وقواعد کے اعتبار سے تو گفتگو کرتے ہیں، مگر شرح حدیث، جتنا تفصیلی کلام یہاں ہے، اس کی نظیر کم ہی ملے گی، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ اس موضوع کی اہمیت اپنے پڑھنے والوں پر واضح کرنا چاہتے ہیں۔

ایک مومن اپنے اعمال واحوال اور ماحول ومعاشرہ پر نگاہ ایک خاص انداز سے ڈالتا ہے، اور وہ خاص انداز یہ ہے کہ اس کی زندگی، زندگی کی تگ ودو کا اثر آخرت میں کس طور پر ظاہر ہوگا، مومن کا کوئی قدم محض دنیا کو مقصد بنا کر کبھی نہیں اٹھتا، وہ جو کچھ کرتا ہے، آخرت کے نقطۂ نظر سے کرتا ہے، اور

یہی نقطۂ نظر اس کے قلب ونظر میں بڑی وسعت بخشتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مرد دانا کی دو باتوں کا خاص طور سے ذکر کیا ہے، ایک تو یہی خود احتسابی، دوسرے وہ جس کا ذکر ان سطور میں کیا جارہا ہے، یعنی آدمی جو عمل کرے، موت کے بعد یعنی آخرت کے لیے کرے، دانائی کی یہ دو باتیں بہت پختہ ہیں۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے بھی صراحۃً اپنے احتساب کا حکم دیا ہے، اور وہاں بھی آخرت پر ہی نظر مقصود ہے، حق تعالیٰ کا فرمان واجب الاذعان ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ (سورۃ الحشر:۱۸) اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو، اور چاہئے کہ ہر شخص دیکھ لے کہ کل کے لئے کیا بھیجا ہے، اور ڈرتے رہو اللہ سے لاریب کہ اللہ ان تمام کاموں کو جانتے ہیں جو تم کرتے ہو۔

کتنا صاف اور صریح حکم ہے کہ ہر آدمی اپنا اپنا جائزہ لیتا رہے، اور جائزہ بھی کیسا؟ یہ کہ کل کے لئے، یعنی آخرت کے لیے اس نے کیا کیا ہے؟ آدمی کو مستقبل کی بہت فکر ہوتی ہے، امیر بھی غریب بھی، حاکم بھی، رعایا بھی، سب مستقبل کی فکر میں غلطاں وپیچاں رہتے ہیں، لیکن اس مستقبل کا تعلق، جسے سوچ سوچ کر آدمی ہلکان ہوتا ہے، اسی دنیا سے ہے جس میں وہ عارضی طور پر آ کر آباد ہوا ہے، ایمانی نقطۂ نظر سے اس دنیا میں سرے سے مستقبل ہے ہی نہیں، مستقبل تو آخرت ہے، جس کی تعبیر ماضی ومستقبل کے خالق ومالک نے ''کل'' سے کی ہے، آدمی کی ساری بدحواسیاں اس لئے ہیں کہ اس نے دنیا ہی میں مستقبل فرض کرلیا ہے، یہ مومنانہ سوچ نہیں ہے۔

بہرحال مومن کی ذمہ داری ہے کہ اپنی زندگی کا، زندگی کے احوال ومعمولات کا مفصل جائزہ لیتا رہے، جو کچھ اچھی چیزیں ملیں، ان پر اللہ کی حمد وثنا کرے، اور جو کچھ اس کے خلاف ہو اس کی اصلاح کرے، اس سے فرد کی بھی زندگی سنورتی ہے، اور اجتماع ومعاشرہ کی بھی!

تباہی کی بات یہ ہے کہ آدمی دوسروں کا جائزہ لے، ان پر بے رحمانہ تنقید کرے اور اپنے اوپر نقد ونظر سے آنکھیں بند رکھے، اس طرز عمل نے جہاں فرد کو اپنی اصلاح اور درستگی سے غافل کر رکھا ہے، وہیں وہ اجتماعیت کو بھی ہلاکت کے گڈھے میں ڈھکیل رہا ہے، آدمی جب معصومی اور بے گناہی کا تذکرہ کرتا ہے، تو اپنی ذات سے شروع کرتا ہے، اور خرابی وگناہ کا ذکر کرتا ہے، تو اپنے کو الگ کر لیتا ہے، یہ عمل خود ایک بڑا گناہ ہے۔

حضرت ابوہریرۃؓ کے حوالے سے امام مسلم علیہ الرحمہ نے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ

إذا قال الرجل: هلك الناس فهو اهلكهم (کتاب البر:۱۳۹) جب آدمی کہے کہ لوگ تباہ (خراب) ہوگئے، تو وہ ان میں سب سے زیادہ تباہ ہے، یہ روایت مؤطا امام مالک میں بھی ہے۔

علامہ زرقانی فرماتے ہیں: یہ وعید اس وقت ہے، جب کہنے والا خود پسندی اور عجب میں گرفتار ہو، اور اپنے علم اور عبادت پر نازاں ہوکر ایسا کررہا ہو، تب وہ سب سے بڑھ کر تباہ حال ہے، کیونکہ وہ متعدد گناہوں میں مبتلا ہے، خود پسندی، متکبرانہ بات، دوسروں کی تحقیر، ان کے عیوب کا تذکرہ اور اس کی تشہیر! (اوجز المسالک ج ۱۵ ص ۲۶۸)

امام خطابی نے لکھا ہے کہ آدمی، دوسرے لوگوں کے عیبوں کا تذکرہ کرتا ہے، ان کی برائیوں کا ذکر کرتا رہتا ہے اور یوں کہتا ہے کہ لوگ بہت خراب ہیں، لوگوں کے حالات ومعاملات بہت بگڑ گئے ہیں، اور اسی طرح کی باتیں اپنے تذکروں میں دہراتا رہتا ہے، ایسا شخص خود سب سے بدتر ہے، کیونکہ وہ عیب جوئی، بدگوئی، عجب وخود پسندی اور احساس برتری میں مبتلا ہوتا ہے (حوالۂ بالا)

ان نصوص سے صراحۃً یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص اپنا جائزہ لیتا رہے، دوسروں کی اصلاح اس کے قابو میں نہیں، اپنے نفس کا آدمی حاکم ہے، اپنی اصلاح کرلے گا تو ایک آدمی کی اصلاح تو ہوگئی، اگر معاشرے کے بیشتر افراد اس سوچ پر آگئے، تو ایک صالح معاشرہ تیار ہوجائے گا۔

لیکن جب اس کا اہتمام نہیں ہوتا تو ایسے لوگوں کی اجتماعیت وجود میں آتی ہے، جن کا سارا زور اس پر ہوتا ہے کہ میں نہیں قصوروار فلاں ہے، حالانکہ اگر بغور دیکھا جائے، تو بکثرت قصور اپنا ہی نکلے گا۔

اللہ تعالیٰ نے دنیا کے نظام کو قیامت تک چلانے کے لئے زندگی کے تمام احوال وضروریات کے لئے افراد اور سامان پیدا کئے ہیں، افراد کے کام اور ان کے مرتبے بانٹ دیے ہیں، لوگوں کی آسانیوں کے لئے ان کے الگ الگ نام رکھ دیئے ہیں، کوئی حاکم ہے، کوئی محکوم ہے، کوئی آقا ہے، کوئی مزدور ہے، کوئی مالک ہے، کوئی ملازم ہے، کوئی استاد ہے، کوئی شاگرد ہے، کوئی باپ ہے، کوئی بیٹا ہے، بہرحال فرق مراتب ہے، فرق احوال ہے، فرق اعمال ہے، اگر ان فرق مراتب کی بنیاد پر پارٹیاں بن جائیں، اور لوگ ایک دوسرے کے فریق بن جائیں، پھر وہ اپنے فرائض وواجبات سے غافل ہوکر، دوسرے کو ہر قصور کا ذمہ دار ٹھہرانے لگیں تو یہ معاشرے کا ایسا زوال ہوگا، جس کا تدارک نہ کیا گیا، تو سوائے باہمی ہنگاموں کے اور کچھ نہ ہوگا۔ اپنا احتساب ایک عبادت ہے، جس کی برکت

سے اصلاح عام ہوتی ہے، اور دوسرے کی عیب جوئی ایک ایسی معصیت ہے کہ اگر اس کو میٹھے سمندر میں ملایا جائے، تو پورا سمندر بدمزہ ہو جائے گا۔

اس لئے اللہ کے رسول ﷺ نے تلقین فرمائی ہے کہ جو حق تم پر دوسروں کا ہے، اسے ادا کر دیا کرو، اور جو تمھارا حق دوسروں پر ہے، اس کا سوال اللہ سے کرو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **انكم سترون بعدي اثرة وامورا تنكرونها**. تم لوگ میرے بعد ناروا ترجیحات اور ایسی باتیں دیکھو گے، جنھیں تم نہیں پہچانو گے، لوگوں نے عرض کیا کہ تو اے اللہ کے رسول اس وقت میں آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا **أدوا إليهم حقهم وسلوا الله حقكم** (بخاری شریف کتاب الفتن) تم انھیں ان کا حق ادا کرتے رہو اور اللہ سے اپنے حق کا سوال کرو۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنے فرائض اور حقوق کو پہچانے، فریضہ وہ حق ہے، جو اس پر دوسرے کا ہو، اور حق وہ ہے، جو دوسرے پر اس کا ہے، تو اپنے فرائض کو ایمانداری کے ساتھ ادا کرے، اگر اسے اس کا اپنا حق نہیں مل رہا ہے، تو بجائے فتنہ کرنے اور بجائے شور وشغب کے اللہ تعالیٰ سے اپنے حق کا سوال کرے، عموماً یہ ہوتا ہے کہ آدمی اپنا فریضہ تو بھول جاتا ہے، یا یاد رکھتا ہے تو کوتاہی کرتا ہے، لیکن اپنے حق کو بشدت یاد رکھتا ہے اور زور وشور سے اس کا مطالبہ کرتا ہے، اور نہ ملے تو دنیا کو شکایتوں سے بھر دیتا ہے، نہ اپنا احتساب کرتا ہے، اور نہ اپنی اصلاح کرتا ہے۔

افراد ہوں یا اقوام اگر انھیں اپنے فرائض کا احساس ہو، اور وہ انھیں دیانت وامانت سے پورا کریں تو یہ ایک بڑی نیکی ہوئی، ایک بڑا کار خیر ہوا۔ پھر جب انھیں اپنے حق کی طلب ہوئی، تو اس کا سوال حق تعالیٰ سے کیا، تو یہ دوسری بڑی نیکی ہوئی، ان دونوں نیکیوں کی برکت یہ ہوگی کہ جن کے ذمے ہمارے حقوق ہیں، وہ خود بخود حقوق کی پیشکش کریں گے۔ حکومتیں اپنے فرائض بھول جاتی ہیں، اور حقوق کا مطالبہ کرتی ہیں، رعایا اپنے فرائض سے غافل ہوتی ہے، حقوق کی فہرست از بر یاد کر لیتی ہے، ملازم کو اپنے حقوق یاد ہیں، اور فرائض فراموش! مالکان کو اپنے حقوق سے ذرا بھی چشم پوشی نہیں، فرائض سے آنکھیں بند! نتیجہ یہ ہے کہ ایک ہنگامہ دنیا میں بپا ہے۔ اگر یہ شخص اللہ کے واسطے اپنی ذمہ داری کے حقوق ادا کرتا رہے، تو اللہ کی مدد مسلسل ہوتی رہے۔

کاش! فرد بھی! اور قوم بھی! اس سبق کو یاد کرے۔ (بشکریہ ''المآثر'' مئو)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دشنام طرازی: اخلاقی ناسور ہے

مولانا ضیاء الدین صاحب قاسمی ندوی

عَنْ أَنَسٍ وَّأَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ قَالَ: اَلْمُسْتَبَّانِ مَا قَالَا فَعَلَى الْبَادِئِ، مَا لَمْ يَعْتَدِ الْمَظْلُوْمَ. [مسلم: ۲۵۸۷، ترمذی ۲۰۱۹ وغیرهما]

حضرت انس اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو دو شخص آپس میں ایک دوسرے سے گالی گلوج کرتے ہیں تو اس کا وبال ابتدا کرنے والے پر ہے، جب تک مظلوم شخص زیادتی نہ کرے۔

تشریح وتوضیح:

بدزبانی، گالی گلوج، فحش گوئی: یہ سب اخلاقی امراض میں سے ہیں اور ہمارے مسلم معاشرے کا تاریک پہلو یہ ہے کہ یہ اخلاقی بیماریاں تیز رفتاری سے معاشرتی وبا بنتی جا رہی ہے۔ جن مسلمانوں کا اخلاقی شعار کبھی یہ ہوا کرتا تھا کہ مخاطب خواہ جس قدر بدزبان اور بے ہودہ گو ہے، مگر اس کا جواب انتہائی نرم وشیریں لب ولہجہ میں دیا کرتے تھے، نرم خوئی، شیریں کلامی مسلمانوں کی پہچان اور ان کے بلند اخلاق کا حصہ ہی نہیں؛ بلکہ رسول کائنات محمد عربی ﷺ کی سیرت طیبہ اور اخلاق حسنہ کا اہم حصہ بھی ہیں، آپ ﷺ نے مسلمانوں کو اس کی تعلیم فرمائی ہے اور صحابہ کرام ﷺ کی اسی نہج پر تربیت بھی تھی۔

اس لیے کہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ہر صاحب ایمان بندۂ مومن، داعئ حق ہے، اس کو اپنے اخلاق وکردار، سیرت وسلوک اور اعمال وافعال سے اسلام کی نشر واشاعت کرنی ہے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر مسلمانوں کی امتیازی شان ہے، اور اسی کے ساتھ باہمی مودت ومحبت اور اخوت پیدا کرنا، لایعنی باتوں اور حرکتوں سے اپنے کو دور رکھ کر، ایک دوسرے کے جذبات کی قدر کرنا: امت محمدیہ کی پہچان ہے اور ایک مسلمان کی یہی تعریف حدیث میں وارد ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ، وَالْمُؤْمِنُ مَنْ أَمِنَهُ النَّاسُ عَلٰى دِمَائِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ.

[سنن الترمذي: ٢٦٢٧، سنن النسائي: ٤٩٩٥]

مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں، اور مومن وہ ہے جس کی طرف سے لوگ اپنی جان ومال کے سلسلے میں مامون رہیں۔

مسلم کا لغوی معنی بھی یہی ہے کہ وہ سلامتی کا ذریعہ ہوتا ہے، اور مومن کا لغوی مطلب ہے: امن دینے والا، خواہ زبان سے امن وسلامتی پھیلائے یا اپنے عمل سے، بہر حال اس کا مشن یہی ہے کہ جہاں بھی رہے، کہے:

ان کا جو کام ہے وہ اہل سیاست جانیں
میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے

جب مسلمانوں کی شان وپہچان یہ ہے کہ اس کی زبان اور ہاتھ سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے تو پھر بدزبانی اور گالی گلوج کا تصور ایک مرد مومن کے بارے میں کیسے ہوسکتا ہے؟ مگر اب حال اتنا خراب ہو چکا ہے کہ وہ مسلمان جو دعوت وتبلیغ کا مکلّف ہے، وہ مسلمان جو امن وسلامتی کا پیکر ہے، وہ مسلمان جس کی زبان سے پھول جھڑنا چاہیے، وہ فحش فحش گالیاں بکتا نظر آتا ہے، آپس کے جھگڑوں میں جو نظارہ دیکھنے کو ملتا ہے، وہ ناقابل بیان تو ہے ہی، اخلاقی انحطاط اور بے حسی کا عالم یہ ہے کہ آپس کی روزمرہ کی گفتگو میں بھی ہم دیکھتے ہیں اور بھگتتے ہیں کہ بات فحش فحش اور گندی گندی گالیوں سے شروع ہوتی ہے اور اس کو بے تکلف دوستی کا معیار سمجھا جاتا ہے کہ جتنی بے باکی سے گندی گندی گالی دیتے ہیں، اتنے ہی پکے، مخلص دوست ہوتے ہیں، ماں بہن کی عصمت وعزت کا بے حسی کے ساتھ ہنس ہنس کر ہمارے نوجوان سودا کرتے ہیں کہ سن کر شرم سے نگاہیں جھک جاتی ہیں۔

مسلمانوں کو آپس میں ملاقات کرتے وقت ایک دوسرے کو ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ'' سے آغاز اور ''وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ'' سے اس کا جواب دینے کے حکم ہے۔ یہ وہ مبارک کلمات ہیں جو ملاقات کے لیے یا سامنا ہونے پر، مسلمانوں کے پاس سے گزرنے یا کسی مجلس میں شرکت جیسے مواقع پر ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، یہ کلمات سلام، سلامتی، رحمت، برکت کی دعا ہیں، جس طرح ہر قوم کا ملنے کا ایک انداز اور کچھ کلمات ادا کرنے کا اصول ہے؛ لیکن اب ہمارے مسلم سماج میں سلام کرنے

کا اسلامی رواج اٹھتا جا رہا ہے، اگر کوئی کسی اجنبی کو سلام کر لیتا ہے تو حیرت سے اس کا منہ دیکھنے لگتے ہیں کہ یہ کیا کہہ دیا! ان سے تو جان پہچان بھی نہیں پھر بھی سلام کر رہے ہیں، شاید کوئی مطلب آ پڑا ہے، اللہ اکبر! کیا ذہن بن چکا ہے کہ سلام جان پہچان والوں کو ہی کیا جاتا ہے، اور اس کے برعکس دیگر باتیں کرنا، مجلسوں کی شان، بے تکلفی کی علامت اور دوستی کا معیار بن چکا ہے۔ اس کو کہتے ہیں قلبِ ماہیت: برعکس نہند نام زنگی کافور۔

صورت حال اب اتنی خراب ہو چکی ہے کہ بدزبانی کی قباحت پڑھے لکھے طبقے سے بھی اٹھتی جا رہی ہے، بعض مسلکی مناظروں اور اختلافی تقریروں میں مقررین سخافت وسفاہت اور رذالت وجہالت کی آخری حد پار کر جاتے ہیں، مخالفین کی ذاتیات پر اتر آتے ہیں، گالی جیسے الفاظ جوش میں استعمال کرنے لگتے ہیں، جس کو سن کر سامعین کا جوش دیدنی ہوتا ہے اور نعرہ بازی شروع ہو جاتی ہے، نتیجہ اکثر ایک دوسرے پر سنگ باری، مار پیٹ پھر تھانہ کوتوالی تک کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ العیاذ باللہ

گالی بکنا اتنا قبیح اخلاقی عمل ہے کہ قرآن نے بھی اس کو مخالفین اور متشددین کے حق میں بھی ناپسند کیا ہے، ارشاد خداوندی ہے:

﴿لاتَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾

ترجمہ: ان لوگوں کو گالی مت دو جو غیر اللہ کو پکارتے ہیں، ورنہ وہ دشمنی میں بغیر جانے اللہ کو گالیاں دیں گے۔ [الأنعام: ۱۰۸]

شروع میں جو حدیث ذکر کی گئی ہے، اس میں آپ ﷺ نے ایک اصولی بات بیان فرمائی ہے: ''اَلْمُسْتَبَّانِ مَا قَالا فَعَلَى الْبَادِئِ'' کہ وبال تو ابتدا کرنے والے پر ہے؛ کیوں کہ اس کا عمل دوسرے فریق کو اسی انداز میں جواب دینے پر آمادہ کرتا ہے، اور اس کا جواب شروع کرنے والے کو بھڑکاتا ہے تو وہ اور گندی، قبیح گالی کا استعمال کرنے لگتا ہے اور مد مقابل بھی آپے سے باہر ہو کر شیطنت پر اتر آتا ہے۔

ہر اچھے برے عمل کا دائرہ اولاً شروع کرنے والے سے ترقی کرتا ہوا آگے بڑھتا ہے، اسی لیے فرمایا گیا: جس نے کسی اچھی سنت کو جاری کیا تو اس کا جو اجر ہے وہ تو ملے گا ہی، اس پر عمل کرنے والوں کو جو اجر ملے گا اسی قدر جاری کرنے والے کو بھی ملے گا، جب کہ ان لوگوں کے اجر میں سے کچھ بھی کم نہیں کیا جائے گا؛ اس لیے کہ جس نے شروع کیا تھا وہ سبب بنا تھا۔ بالکل یہی معاملہ برائی

پھیلانے کا سبب بننے والے کے حق میں بھی ہے کہ گناہ ملے گا اور دوسرے عمل کرنے والوں کے گناہ کے برابر مزید لادا جائے گا۔

''**مَا لَمْ يَعْتَدِ الْمَظْلُوْمَ**'' جب تک مظلوم حد سے تجاوز نہ کرے، گالی سننے والے مظلوم فرمایا؛ اس لیے کہ گالی دے کر اس پر زیادتی کی گئی ہے، اس لیے مظلوم ٹھہرا، اگر وہ بھی اسی قدر گالی دے گا تو دونوں یکساں ہو جائیں گے، مگر ہوتا ہے اس کے برعکس کہ وہ گالی سن کر تلملا جاتا ہے اور زیادہ فحش، سخت گالیاں دیتا ہے، پھر جو حال ہوتا ہے اسے بیان کرنے کی حاجت نہیں، غصہ عروج پر ہوتا ہے اور زبان کنٹرول سے باہر۔

معاشرہ میں پھیلی ہوئی یہ اخلاقی وبا اسی صورت میں ختم ہوسکتی ہے کہ دینی تعلیمات عام ہوں کہ جس مذہب نے مشرکین وکافرین کو بھی گالی نہ دینے کا حکم دیا ہے؛ تاکہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی شان میں گستاخی پر نہ اتر آئیں، وہی مسلمان خود ہی آپس میں اس قبیح حرکت کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ جب یہ احساس پیدا ہوگا کہ اکرام مسلم واجب ہے اور بدزبانی، انسانیت، شرافت، تہذیب اور شریعت کے منافی ناپسندیدہ عمل ہے تو ان شاء اللہ زبان پر کنٹرول ممکن ہوگا، اصلاح ہمیشہ احتساب نفس سے ہوتی ہے۔

اور یہ وعید بھی ذہن نشین رہے کہ لڑائی جھگڑے میں گالی پر اتر آنا منافق ہونے کی علامت ہے: کہ جب جھگڑتا ہے تو فسق وفجور پر آجاتا ہے، گالیاں بکنے لگتا ہے۔ یہ جملہ اس حدیث کا ٹکڑا ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے منافق کی چار علامتیں (وعدہ خلافی کرنا، جھوٹ بولنا، عہد شکنی کرنا اور لڑائی جھگڑا کرنے پر گالی بکنا) بتائی ہیں۔ [بخاری شریف: ۳۱۷۸]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

زیارتِ حرمین شریفین

مولانا محفوظ احمد قاسمی جامعی مقیم ریاض، سعودی عرب

۴؍جنوری 2018 بروز جمعرات اہل خانہ کے ساتھ عمرہ کی ادائیگی اور مدینۃ الرسول کی زیارت کی غرض سے حرمین شریفین کا سفر ہوا۔ ویسے تو اپنے پیارے حبیب کے پیارے شہر میں روضۂ اطہر، وہاں کے مقامات مقدسہ اور تاریخی مقامات (Historical Places) جن سے اسلام کی تاریخ کا ایک وافر حصہ وابستہ رہا ہے کی زیارت کا موقع ناچیز کو متعدد بار میسر ہوا ہے لیکن اہل خانہ کے ساتھ یہ پہلا سفر تھا۔ ارادہ تھا کہ پہلے مدینہ منورہ پہنچ کر دو دن وہاں قیام کریں گے اور پھر عمرہ کی ادائیگی کے لئے مکہ مکرمہ کا سفر ہوگا۔ پروگرام کے مطابق آفس سے قبل از وقت واپسی ہوگئی اور ہمارے گھر کے قریب واقع ''حی الوزارات'' نامی بس اسٹینڈ سے ساڑھے چار بجے بس روانہ ہوئی۔ تھوڑا وقت گذرنے کے بعد چاروں طرف رات کا اندھیرا پھیل گیا، بس کی لائٹ آف کر دی گئی اور خاموشی کا ایک ماحول طاری ہوگیا، لوگ اپنی اپنی سیٹ پر بیٹھ کر اپنے اپنے تفکرات وخیالات کی دنیا میں کھو گئے، کوئی موبائل میں مشغول تھا، کوئی بیٹھا اونگھ رہا تھا تو کوئی اپنے بغل میں بیٹھے ساتھی کے ساتھ سرگوشیوں میں مشغول تھا۔ آپس میں کچھ دیر محو گفتگو رہنے کے بعد ہمارے اوپر بھی نیند کا خمار طاری ہونے لگا اور ہم بھی بتدریج عالم خموشاں میں جا پہنچے۔ خاصہ وقت گذرنے کے بعد جب نیند کے بادل چھنٹے اور ایک بار پھر عالم غنودگی سے نکل کر عالم بیداری میں داخل ہوئے تو میں نے پردہ کو ایک جانب کر کے باہر دیکھا تو معلوم ہوا کہ رات کی تاریکی نے ہر چیز کو اپنی طویل آغوش میں لے رکھا ہے۔ راستہ کی رکاوٹوں اور رات کی تاریکیوں کے باوجود بس پوری رفتار کے ساتھ اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے۔ سڑک کے دونوں طرف لگے بجلی کے کھمبے تیزی کے ساتھ بھاگتے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔ کچھ دیر بعد بس کی طرف سے اعلان ہونا شروع ہوا کہ عشاء کی نماز اور رات کے کھانے کے لئے مسافروں کو ایک گھنٹہ کا وقت دیا جا رہا ہے۔ ہم نے بس سے اتر کر مغرب اور عشاء کی نماز ادا کر کے رات کا کھانا کھایا۔

سفر میں سب سے زیادہ پریشان کن جو بات ہوتی ہے وہ بشری تقاضا ہے، حکومت سعودیہ کی جانب سے صفائی کے اعلیٰ انتظامات کے باوجود ریاض سے مدینہ کے سفر میں ایک دو بار گندے حمامات سے دوچار ہونا ہی پڑتا ہے جو ایک حساس طبیعت کے لئے سخت تکلیف دہ بات ہوتی ہے۔ نماز اور کھانے سے فراغت کے بعد بس ایک بار پھر اپنی منزل کی طرف گامزن ہوگئی اور سارے مسافر دوبارہ محوخواب ہوگئے۔ نو، دس گھنٹے کے مسلسل سفر کے بعد رات کے تقریباً ڈھائی بجے ہم مدینہ شہر میں داخل ہوگئے اور ایک بار پھر بس کی جانب سے اعلان کیا گیا کہ جن مسافروں کو مدینہ منورہ میں قیام کرنا ہے ان کے ہوٹل کے لئے یہیں سے ایک دوسری گاڑی کا انتظام کیا جا رہا ہے وہ لوگ اُس گاڑی میں سوار ہو جائیں۔ ہدایت کے مطابق ہم لوگ اس گاڑی میں سوار ہوگئے اور اس نے کچھ ہی دیر میں العوالی نامی ہوٹل کے سامنے ہمیں اتار دیا، معلوم ہوا کہ مدینہ منورہ میں یہی ہماری قیام گاہ ہے۔ یہ ہوٹل مسجد نبوی سے تقریباً تین چار کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے لیکن رات بھر کے سفر اور اس دوران معصوم بچوں کی طفلانہ حرکتوں کی وجہ سے جسم بالکل تھکا ہوا تھا اور بدن کا رواں رواں بستر بستر کی صدائے احتجاج بلند کر رہا تھا اس لئے اس وقت بستر سے پیاری کوئی چیز نہیں تھی چنانچہ لیٹتے ہی نیند کی آغوش میں پہونچ گئے۔ صبح اٹھے تو ناشتہ وغیرہ سے فراغت کے بعد مسجد نبوی حاضری ہوئی۔

پھر نام خدا روضۂ جنت میں قدم ہے   پھر پیش نظر گنبد خضرا ہے، حرم ہے
پھر منت دربان کا اعزاز ملا ہے   یہ ان کا کرم ان کا کرم ان کا کرم ہے

دو رکعت نفل نماز ادا کر اس کے صحن میں بیٹھ گئے اور میں نے اہل خانہ کو مسجد نبوی کی مختصر تاریخ اور اس کے فضائل بتانا شروع کیا کہ کفار مکہ کی ریشہ دوانیوں سے تنگ آ کر رسول اللہ (ﷺ) جب مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو آپ کی اونٹنی نے جس جگہ قیام کیا یہی وہ جگہ ہے، یہاں انصار مدینہ پہلے سے نماز ادا کرتے چلے آرہے تھے۔ رسول اللہ نے فرمایا کہ ان شاء اللہ یہی ہماری منزل ہوگی، چنانچہ اس زمین کے مالک جو کہ دو یتیم بچے تھے کو بلایا گیا اور رسول اللہ نے ان سے زمین خریدنے کی بات کہی تو انہوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول (ﷺ)! ہم آپ کو ہدیہ کئے دیتے ہیں لیکن رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا کہ نہیں بلکہ ہم آپ کو اس کی قیمت ادا کریں گے چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے قیمت ادا کی اور ماہِ ربیع الاول ۱ھ بمطابق 622ء میں اپنے گھر کے بغل میں رسول اللہ نے اس کی بنیاد رکھی۔ اُس وقت اس کے کھمبے اور چھت کھجور کے درخت کے بنائے گئے تھے، بنیاد

پتھر کی اور دیواریں مٹی کے کچے اینٹوں کی تھیں۔ لمبائی تقریباً 35 میٹر اور چوڑائی 30 میٹر تھی لیکن فتح خیبر کے بعد 7ھ میں جب رسول اللہ (ﷺ) نے اس کی توسیع فرمائی تو اس کی لمبائی 150 فٹ ہوگئی۔ اس کے بعد خلفائے راشدین، اموی، عباسی اور عثمانی دور میں اس کی متعدد توسیعات ہوئیں اور بالآخر آج کی بڑھی ہوئی آبادی اور پوری دنیا سے آنے والے زائرین کی سہولت کے پیش نظر قرب و جوار کی ساری عمارتوں اور دوکانوں کو توڑ کر موجودہ سعودی حکومت نے زبردست توسیع کا کام کیا ہے جو تا ہنوز جاری ہے۔ اور اب حکومت سعودیہ کا منصوبہ یہ ہے کہ مسجد نبوی کے آس پاس کے سارے ہوٹلوں اور دوکانوں کو بالکل ختم کر دیا جائے تاکہ سڑک کے چاروں طرف سے مکمل طور پر مسجد نظر آئے جو یقیناً اس کے حسن اور خوبصورتی کو دوبالا کر دے گا۔ آج کی مسجد نبوی کو دیکھ کر رسول اللہ (ﷺ) کے زمانہ کی مسجد نبوی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ اُس وقت وہ انتہائی تنگ اور خستہ حالت میں تھی اور آج اس کی شاندار عمارت کو دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ گر فردوس بر روئے زمین ست ۔۔۔ ہمین ست وہمین ست وہمین ست۔ میں نے انہیں بتایا کہ حدیث کی کتابوں میں مسجد نبوی کے بڑے فضائل آئے ہیں جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں۔

(1) اس مسجد میں ایک وقت کی نماز ایک ہزار نماز کے برابر ہوتی ہے۔ **صلاۃ فی مسجدی ھذا ، خیر من الف صلاۃ فی غیرہ من المساجد الا المسجد الحرام**۔ (2) جس شخص نے اس میں ۴۰ وقت کی نماز پڑھ لی جہنم سے اس کی خلاصی لکھ دی جاتی ہے۔ **من صلی فی مسجدی اربعین صلاۃ لاتفوتہ صلاۃ کتبت لہ براءۃ من النار و براءۃ من العذاب و بری من النفاق**۔ یہی وجہ ہے کہ ہر سال حجاج اکرام کو ۴۰ نمازیں ادا کرنے کے بقدر مدینہ منورہ میں ٹھہرایا جاتا ہے۔ (3) جو شخص یہاں پر (علم دین) سیکھنے کی غرض سے آئے وہ مجاہد فی سبیل اللہ کہلاتا ہے۔ **من جاء مسجدی ھٰذا لم یأتہ الا لخیر یتعلمہ او یعلمہ فھو بمنزلۃ المجاھدین فی سبیل اللہ ، ومن جاء بغیر ذٰلک فھو بمنزلۃ الرجل ینظر الیٰ متاع غیرہ**۔ (4) اس مسجد کا ایک حصہ روضۂ مبارکہ ہے جس کے بارے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ **ما بین بیتی و منبری روضۃ من ریاض الجنۃ**۔ (5) جن تین مسجدوں کی طرف سفر کرنے کی اجازت دی گئی ہے انہیں میں سے ایک مسجد نبوی بھی ہے۔ **لاتشد الرحال الا الی ثلاثۃ مساجد : مسجد**

الحرام و مسجد الاقصیٰ ومسجدی ھذا ۔(6) یہ لوگوں کے لئے سب سے اچھی جگہ ہے **خیر ما رکبت الیہ الرواحل مسجدی ھٰذا والبیت العتیق۔**(7) جمہور مفسرین کے مطابق **لمسجد اسس علی التقوی من اول یوم احق ان تقوم فیہ فیہ رجال یحبون ان یتطھروا واللہ یحب المطھرین** والی آیت اسی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

جمعہ کی نماز تک مسجد کے صحن میں بیٹھے روضۂ اطہر، مسجد نبوی اور مدینۃ الرسول کے فضائل پر باتیں ہوتی رہیں اور پھر نماز کی ادائیگی کے بعد شہر مدینہ میں مقیم ہمارے پڑوسی برادر عزیز مولانا محمد یاسر قاسمی، برادر محترم نعیم اختر صاحب، ہمارے زمانۂ طالب علمی کے دوست حافظ محمد فیض الحق صاحب اور ایک دو حضرات ملاقات کے لئے آ گئے جن کو اپنے سفر کی اطلاع پہلے ہی کر دی تھی۔ ان حضرات سے فراغت کے بعد میں نے حضرت مولانا انعام الحق صاحب قاسمی کو فون کیا۔ مولانا کا تعلق ہمارے قریبی گاؤں ابراہیم پور ضلع اعظم گڑھ سے ہے اور آپ 1973 سے مدینہ منورہ میں مقیم ہیں۔ فون پر گفتگو کے بعد مولانا گاڑی لے کر ہمیں ریسیو کرنے آ گئے اور ان کی معیت میں ہم ان کے گھر پہنچے، اس دوران انہوں نے اپنے گھر پر ہی دوپہر کے کھانے کا انتظام کر دیا تھا۔ کھانے کے دوران مختلف موضوعات پر تبادلۂ خیالات ہوئے، مجھے یہ جان کر سخت حیرت ہوئی کہ تقریبا پینتالیس سال کے عرصہ میں مولانا واپس کبھی ہندوستان گئے ہی نہیں۔ میں نے ان سے پوچھا کہ وطن عزیز میں موجود اپنے متعلقین کی آپ کو کبھی یاد نہیں آئی؟ تو کہنے لگے کہ میں جانے کے لئے یہاں نہیں آیا تھا۔ مولانا کا یہ مختصر جملہ ان کے محبّ رسول ہونے اور مدینۃ الرسول سے آخری حد تک محبت کی دلیل ہے۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ بجز اشد مجبوری کے میں کبھی مدینہ منورہ سے باہر نہیں نکلتا۔ مولانا کی چھ اولادیں ہیں، تین بیٹے اور تین بیٹیاں۔ بیٹے اپنی شکل و شباہت اور بود و باش کے اعتبار سے مکمل طور پر سعودی نظر آتے ہیں۔ عربی مدارس میں تعلیم کی وجہ سے زبان اردو سے مکمل نابلد اور ناآشنا ہیں۔ ایک سال قبل آپ کی اہلیہ محترمہ کا انتقال ہو گیا اسی لئے ہمارے اہل خانہ کی ضیافت کے لئے انہوں نے اپنی بڑی بہو کو بلا رکھا تھا جن کا تعلق ابراہیم پور سے ہی ہے۔ عصر کی نماز وہیں ادا کر دوبارہ مسجد نبوی واپسی ہوئی اور پھر مغرب وعشاء کی نماز اللہ کے رسول (ﷺ) کی مسجد میں ادا کرنے کے بعد ہوٹل واپس آ گئے۔ روضۂ اطہر کی زیارت کے لئے سب سے مناسب وقت چونکہ عشاء کی نماز کے بعد کا ہوتا ہے کہ اس میں وقت زیادہ رہتا ہے اور لوگوں کا ازدحام بھی کم ہوتا ہے اس لئے اگلے دن پہلے دیگر مقامات مقدسہ کی زیارت

کا پروگرام بنایا گیا۔ برادر محترم نعیم اختر صاحب کو اپنے پروگرام سے مطلع کیا تو انہوں نے ایک گاڑی کا انتظام خود کر دیا اور انہیں کی معیت میں یہ سعادت بھی سرانجام پائی۔ جن مقامات مقدسہ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ان کا ذکر مندرجہ ذیل ہے۔

جنت البقیع : یہ عہد نبوی سے لے کر آج تک مدینہ منورہ کا قبرستان رہا ہے اور اپنے محل وقوع کے اعتبار سے وہاں کے تاریخی مقامات میں مسجد نبوی سے سب سے زیادہ قریب ہے۔ اس کا رقبہ تقریباً 180000/اسکوائر میٹر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ تقریباً دس ہزار صحابۂ کرام یہیں مدفون ہیں۔ جن میں آپ (ﷺ) کی سب سے محبوب رفیقۂ حیات حضرت عائشہ، سب سے چھوٹی بیٹی حضرت فاطمہ، بیٹے ابراہیم، آپ کے داماد اور خلیفۂ ثالث حضرت عثمان غنیؓ، عم محترم حضرت عباس، پھوپھی محترمہ حضرت صفیہ، نواسے حضرت حسن اور حضرت خدیجہ وحضرت میمونہ (رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ) کے علاوہ تمام امہات المؤمنین یہیں مدفون ہیں۔

جبل احد : یہ مدینہ منورہ کے شمال میں واقع سرخ رنگ کا ایک پہاڑ ہے جو اپنے حجم کے لحاظ سے وہاں کا سب سے بڑا اور اونچا پہاڑ مانا جاتا ہے۔ مسجد نبوی سے چار کلومیٹر کی دوری پر واقع سات کلومیٹر لمبا اور تین کلومیٹر چوڑا جنوب مشرق سے شمال مغرب کی طرف پھیلا ہوا ہے۔ اس کے بارے میں اللہ کے رسول نے فرمایا: **ھذا جبل یحبنا و نحبه** (یہ پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں)۔ یہی وہ پہاڑ ہے جس کے دامن میں اسلام کی معروف جنگ "جنگ احد" شوال 3ھ میں لڑی گئی اور اپنے تاریخی پس منظر کی وجہ سے کافی اہمیت کی حامل رہی۔ میدان جنگ میں دشمن کے بعد پہنچنے کے باوجود رسول اللہ (ﷺ) نے اپنے لشکر کے لئے جنگی نقطۂ نظر سے میدان جنگ کا سب سے بہترین مقام اختیار کیا اور جس انداز سے آپ نے اپنے لشکر کو مرتب کیا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دنیا کا بڑے سے بڑا کمانڈر آپ (ﷺ) سے زیادہ باریک اور باحکمت منصوبہ تیار نہیں کرسکتا۔ آپ نے لشکر کو کئی صفوں میں تقسیم کیا، ماہر تیراندازوں کا ایک دستہ بھی منتخب کیا اور لشکر سے ڈیڑھ سو میٹر دور جنوب مشرق میں واقع جبل رماۃ نامی پہاڑی پر ان کو تعینات کر دیا اور اس کے کمانڈر کو حکم فرمایا: "شہسواروں کو تیر مار کر ہم سے دور رکھو۔ وہ پیچھے سے ہم پر چڑھ نہ آئیں۔ ہم جیتیں یا ہاریں تم اپنی جگہ رہنا۔ تمہاری طرف سے ہم پر حملہ نہ ہونے پائے۔ پھر آپ نے تیراندازوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ہماری پشت کی حفاظت کرنا، اگر دیکھو کہ ہم مارے جا رہے ہیں تو ہماری مدد کو نہ

آنا اور اگر دیکھو کہ ہم مالِ غنیمت سمیٹ رہے ہیں تو ہمارے ساتھ شریک نہ ہونا۔(فتح الباری)۔اور صحیح بخاری کے الفاظ میں ، اگر تم دیکھو کہ ہمیں پرندے اچک رہے ہیں تو بھی اپنی جگہ نہ چھوڑنا یہاں تک کہ میں بلا بھیجوں اور اگر تم لوگ دیکھو کہ ہم نے قوم کو شکست دیدی ہے اور انہیں کچل دیا ہے، تو بھی اپنی جگہ نہ چھوڑنا یہاں تک کہ میں بلا بھیجوں۔(صحیح بخاری کتاب الجہاد)"۔ چنانچہ خالد بن ولید کی قیادت میں مکی شہسواروں نے مسلمانوں کی پشت تک پہنچنے اوران کی صفوں میں کھلبلی مچا کر بھر پور شکست سے دوچار کرنے کے لئے تین بار زوردار حملے کئے لیکن ان ماہر تیر اندازوں نے انہیں اس طرح تیروں سے چھلنی کیا کہ ان کے تینوں حملے ناکام ہو گئے اور ان کو منہ کی کھانی پڑی۔ کچھ دیر تک گھمسان کی جنگ ہوتی رہی اور چھوٹا سا اسلامی لشکر جنگ پر پوری طرح مسلط ہوتا گیا یہاں تک کہ مشرکین کے حوصلے ٹوٹ گئے ، ان کی صفیں دائیں بائیں آگے پیچھے سے بکھرنے لگیں اور ان میں انتشار پیدا ہو گیا اور مسلمان تقریبا فتح و کامرانی سے ہمکنار ہو گئے لیکن عین اسی وقت تیر اندازوں کی ایک بڑی تعداد نے وہ جگہ چھوڑ دی جس کی وجہ سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور مسلمانوں کو شدید نقصان کا سامنا کرنا پڑا۔خالد بن ولید نے جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے،موقع کا فائدہ اٹھایا اور تیزی سے چکر کاٹ کر اسلامی لشکر کی پشت پر جا پہنچے اور پھر مسلمانوں پر پیچھے سے ٹوٹ پڑے اور جم کر لڑائی شروع کر دی یہاں تک کہ مسلمان چکی کے دو پاٹوں کے بیچ پس کر رہ گئے اور یہی وہ لغزش تھی جہاں پہنچ کر انتہائی دفاع کے باوجود ستر جلیل القدر صحابہؓ کرام کو جام شہادت نوش کرنا پڑا یہاں تک کہ خود نبیؐ کریم (ﷺ) کے رباعی دندان مبارک شہید ہو گئے۔قربان جایئے ہمارے پیارے حبیب کی ذات بابرکات پر اور آپ کے پیارے صحابہ پر جنہیں فوراً ہی اپنی غلطیوں کا احساس ہو گیا اور ایک بار پھر اللہ کے رسول پر اپنی جان نچھاور کرنے کے لئے تن من دھن کی بازی لگا دی یہاں تک کہ رسول اللہ (ﷺ) کی فوجی عبقریت خالد بن ولید کی فوجی عبقریت پر غالب آ گئی اور مسلمانوں کو اپنی فتح کی بازیابی میں کامیابی ملی۔ہم نے اس پہاڑی کو بھی دیکھا اور اس میں مدفون سارے صحابہؓ کرام کے بلندیٔ درجات کے لئے اللہ کے حضور دعائیں مانگیں۔

مسجد قبا: اسلام کی سب سے پہلی مسجد ہے کیوں کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ہجرت کے پہلے دن ہی اس کی تعمیر کی تھی۔ یہ مسجد نبوی سے پانچ کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے۔اس کی وجہ تسمیہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہاں قبا نام کا ایک کنواں تھا اور وہ بستی اسی کنویں کے نام سے معروف تھی،

جب رسول اللہ (ﷺ) کا ہجرت کرتے ہوئے وہاں سے گذر ہوا تو آپ نے وہاں پر اپنے صحابہ کی مدد سے ایک مسجد کی بنیاد رکھی اور اس کا نام قبا رکھا۔ حدیث کی کتابوں میں اس مسجد کی بڑے فضائل آئے ہیں چنانچہ صحیحین میں روایت ہے کہ آپ ﷺ ہر سنیچر کو کبھی پیدل چل کر اور کبھی سوار ہو کر مسجد قبا جاتے اور اس میں دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔ ایک دوسری حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص اپنے گھر سے وضو کر کے نکلے اور مسجد قبا میں آکر دو رکعت نماز پڑھے تو اس کو عمرہ ادا کرنے کے بقدر ثواب ملتا ہے۔ مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصی کے بعد مسجد قبا کو دنیا بھر کی تمام مساجد میں سب سے افضل مسجد ہونے کا درجہ حاصل ہے۔

مسجد جمعہ: مدینہ منورہ کے جنوب مغرب میں مسجد قبا سے تقریبا ڈھائی کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جب حضور پاک (ﷺ) مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کر رہے تھے تو راستہ میں قبا نامی بستی میں چار روز قیام فرمایا اور پانچویں روز جمعہ کے دن صبح سویرے مدینہ کے لئے نکل پڑے لیکن راستہ ہی میں جمعہ کی نماز کا وقت ہو گیا تو آپ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہیں پر (وادیٔ رانوناء) میں نماز جمعہ ادا کی۔ آپ کی مدینہ ہجرت کے بعد یہ سب سے پہلا جمعہ تھا، بعد میں وہاں ایک مسجد قائم کی گئی اور اس کا نام مسجد جمعہ رکھ گیا۔

مسجد قبلتین : مدینہ منورہ کے مغرب میں واقع ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ کے بارے میں آراء مختلف ہیں لیکن جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ آپ (ﷺ) بنی سلمہ کے علاقہ میں ایک مسجد کے اندر ظہر کی نماز ادا کر رہے تھے اور دوسری رکعت کے سجدہ میں تھے کہ تحویل قبلہ والی آیت **(قد نریٰ تقلب وجھک فی السماء فلنولینک قبلة ترضاھا فول وجھک شطر المسجد الحرام وحیث ما کنتم فولوا وجوھکم شطرہ الخ.)** نازل ہوئی جس میں آپ (ﷺ) کو بیت المقدس سے خانہ کعبہ کی طرف رخ کر لینے کا حکم دیا گیا تھا، چنانچہ آپ نے اپنا رخ انور بیت المقدس سے گھما کر خانہ کعبہ کی طرف کر لیا۔ چونکہ اس مسجد میں ایک ہی نماز دو قبلہ کی طرف ادا کی گئی، اس لئے اس کو مسجد قبلتین کہتے ہیں۔

سبع مساجد (سات مسجدیں): مدینہ منورہ کے زائرین کے لئے انتہائی اہم جگہوں میں سے ایک جگہ ہے۔ یہ چند مساجد کا مجموعہ ہے۔ اس کی حقیقی تعداد چھ ہے نہ کہ سات لیکن بعض لوگوں نے مسجد قبلتین کو بھی اسی کے ساتھ شمار کیا ہے اس لئے اس کی تعداد سات ہوگئی۔ یہ مساجد جبل

سلع کے مغربی جانب میں خندق کے قریب واقع ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ جنگ خندق میں ان کا استعمال چھاؤنی کے طور پر کیا گیا تھا اور مسجد فتح کے علاوہ ہر مسجد کا نام اس کے کمانڈر کے نام کے ساتھ موسوم کیا گیا ہے۔

1: مسجد فتح: یہ سب سے بڑی مسجد ہے اور جبل سلع کے مغربی جانب میں واقع ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ جنگ خندق میں حضور پاک ﷺ کا مصلیٰ تھی یا یہ کہ اس جنگ کے نتیجہ میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔ حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ نے اپنے دور خلافت میں اس کی بنیاد رکھی اور پھر وزیر سیف الدین ابن ابی الہیجاء کے حکم سے اس کی تعمیر جدید ہوئی۔ پھر عثمانی دور کے بادشاہ عبدالمجید اول کے زمانہ میں ایک بار پھر اس کی تعمیر کی گئی۔

2: مسجد سلمان فارسی: یہ مسجد فتح سے بیس میٹر کی دوری پر جنوب میں واقع ہے۔ سات میٹر لمبائی اور چوڑائی پر مشتمل اس میں ایک ہال ہے۔ غزوۂ خندق میں خندق کے ماسٹر مائنڈ حضرت سلمان فارسیؓ کے نام نامی پر اس مسجد کا نام مسجد سلمان فارسی رکھا گیا۔ حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ نے ہی اپنے دور خلافت میں اس کی بھی بنیاد رکھی اور پھر وزیر سیف الدین ابن ابی الہیجاء کے حکم سے 575ء میں اس کی تعمیر جدید ہوئی۔ پھر عثمانی دور کے بادشاہ عبدالمجید اول کے زمانہ میں ایک بار پھر اس کی تعمیر کی گئی۔

3: مسجد ابوبکر صدیق: یہ مسجد سلمان کے جنوب مغرب میں پندرہ میٹر کی دوری پر واقع ہے۔ گذشتہ دونوں مساجد کے ساتھ اس کی تعمیر جدید کی گئی اور فی الحال توسیع جدید کے لئے منہدم کر دی گئی ہے۔

4: مسجد عمر ابن خطاب: یہ مسجد ابوبکر سے دس مٹر کی دوری پر جنوب میں واقع ہے۔ اس میں ایک غیر مسقّف لمبا ہال ہے۔ اس کا نقشہ مسجد فتح کے نقشہ سے ملتا جلتا ہے۔ اس کی بھی قدیم اور جدید تعمیر مسجد فتح کے ساتھ ہی ہوئی ہے۔

5: مسجد علی ابن ابی طالب: یہ مسجد فاطمہ سے مشرقی جانب میں تھوڑی اونچائی پر واقع ہے۔ اس کی لمبائی 8.5 میٹر اور چوڑائی 6.5 میٹر ہے۔ راجح قول کے مطابق اس کی تعمیر قدیم وجدید مسجد فتح کے ساتھ ہوئی تھی۔ کہا جاتا ہے حضرت علیؓ نے عمرو ابن ودالعامری جس نے غزوۂ خندق میں خندق کو پار کر لیا تھا اسی جگہ پر قتل کیا تھا۔

6: مسجد فاطمہ زہراء: اس کا تاریخی نام مسجد سعد ابن معاذ ہے۔ یہ مساجد سبعہ میں سب سے چھوٹی مسجد ہے۔ اس کی لمبائی اور چوڑائی 3x4 ہے۔

اصل ہیئت کو باقی رکھتے ہوئے آج ان مساجد کو انتہائی خوبصورشکل میں ڈھال دیا گیا ہے۔ مدینہ منورہ کی میونسپلٹی نے ان کے چاروں طرف چھوٹے چھوٹے درختوں کا باغیچہ بھی لگا دیا ہے جس سے ان کی خوبصورتی میں چار چاند لگ جاتا ہے۔

وادئ جن: مسجد نبوی سے سات آٹھ کلومیٹر کی دوری پر شمال میں واقع وادئ بیضاء نامی ایک علاقہ ہے جو عرف عام میں وادئ جن کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس کے چاروں طرف اونچے اونچے پہاڑ ہیں۔ ویسے تو پورے سعودی عرب میں قدرتی سبزہ اور ہریالی دیکھنے کے لئے عالم تخیل کا سفر کرنا پڑتا ہے لیکن اس علاقہ میں عالم تخیل میں بھی یہ چیزیں ناپید نظر آتی ہیں۔ اس کے بارے میں متعدد بار سنا تھا کہ وہاں گاڑیاں خود بہ خود چلتی ہیں اور پانی الٹے سمت بہتا ہے۔ لوگوں میں مشہور ہے کہ یہ جناتوں کی بستی ہے اور وہی لوگ گاڑیاں چلاتے ہیں چنانچہ ہمیں بھی تجربہ کا شوق ہوا اور وہاں کی تاریخ معلوم کرنے کے لئے شنیدہ کے بود مانند دیدہ کے تحت ایک کار لے کر نکل پڑے۔ وہاں پہنچ کر سب سے پہلے ہم نے پانی کی نصف لیٹر والی بوتل زمین پر ڈال دی، یہ دیکھ کر ہماری حیرت کی انتہاء نہ رہی کہ پانی کی وہ چھوٹی سے بوتل نشیب کی طرف جانے کے بجائے فراز کی طرف چڑھنے لگ گئی۔ کچھ لوگوں نے پانی کو زمین پر انڈیل دیا تو وہ سیدھے بہنے کے بجائے الٹے سمت بہنے لگا۔ اب ہم نے دوسرا تجربہ کرنے کو سوچا۔ چنانچہ ڈرائیور سے کہا کہ گاڑی بند کر دو اور اس نے بند کر دیا، ہم سب لوگ گاڑی میں بیٹھ گئے، وہ اسٹیرنگ سنبھالنے لگا لیکن گاڑی بند ہونے کے باوجود چلتی رہی یہاں تک کہ 120 کی رفتار اختیار کر گئی اور کافی دور تک چلتی رہی۔ پہلے جس بات کا میں شد و مد کے ساتھ انکار کر رہا تھا اب آنکھوں دیکھا حال تھا اس لئے انکار کی کوئی گنجائش باقی نہ رہی لیکن میرے لئے اب تک یہ ایک معمہ بنا ہوا ہے جو نہ سمجھنے کا ہے نہ سمجھانے کا، کیوں کہ کسی معتبر ذریعہ سے ہمیں اس کی تاریخ اور حقیقت کا علم نہیں ہو سکا۔ بس اتنا محسوس ہوتا ہے کہ یہاں سطح زمین میں ایک طرح کی مقناطیسی کشش ہے جو اس فعل کو انجام دے رہی ہے۔

روضۂ اطہر کی زیارت: ان مقامات کی زیارت کر کے ایک بار پھر ہم اللہ کے رسول (ﷺ) کی مسجد کو واپس آ گئے اور اب سب سے اہم ومبارک کام کے انجام دہی کی سعادت حاصل کرنی تھی یعنی اپنے محبوب (ﷺ) کے قبر مبارک کی زیارت۔ پروگرام کے مطابق نماز عشاء کے فورا بعد باری باری زیارت کرنا طے پایا تھا تاکہ بچوں کی دیکھ بھال بھی ممکن ہو سکے۔ چنانچہ میں بچوں کو

لے کر ایک جانب بیٹھ گیا اور اہلیہ محترمہ زیارت کے لئے جانے ہی والی تھیں کہ ہمارا ایک بچہ ان کے ساتھ جانے کے لئے بضد ہو گیا اور ہزار ازدحام کے باوجود اس کو لے کر جانا پڑا۔ کچھ ہی دیر بعد ایک ناخوش گوار واقعہ پیش آیا۔ میں اپنی جگہ پر سر جھکائے بیٹھا ان کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا کہ سامنے سے مسجد نبوی کے پولیس کارندے کی گذرتی ہوئی گاڑی میں کسی بچہ کے زور زور سے رونے کی آواز سنائی دی، آواز کچھ جانی پہچانی لگی، میں نے سر اٹھایا لیکن جب تک گاڑی گذر چکی تھی، مجھے شبہ ہوا اور میں گاڑی کے پیچھے دوڑ پڑا۔ مجھے دوڑتے ہوئے دیکھ کر لوگوں نے گاڑی رکوائی اور میں نے قریب پہنچ کر دیکھا کہ وہ ہمارا ہی بچہ تھا جو امی کا ساتھ چھوٹ جانے کی وجہ سے پریشان حال کہیں رو رہا تھا اور پولیس نے بغرض اعلان اسے اپنی گاڑی میں بٹھا لیا تھا، مجھے دیکھ کر فوراً لپٹ گیا اور زور زور سے رونے لگا، میں اس کو لے کر واپس آیا۔ اس کی امی کو فون کیا تو وہ اپنے سے پہلے بچہ کی خبر دینے لگیں، میں نے انہیں واقعہ کی خبر دی اور اس طرح اللہ نے ایک بڑی پریشانی سے بچا لیا۔ اگرچہ زیارت میں کافی تاخیر ہو چکی تھی لیکن جس دن لوگ اپنے بھائی سے، ماں باپ سے، بیوی اور بچوں سے بھاگیں گے اس خوفناک دن کی وحشت سے بچنے کے لئے، ہم نے بھی اپنے حضور کی شفاعت اپنے لئے واجب کرا لی ہے۔ کیوں کہ آپ ﷺ کے فرمان کے مطابق **من زار قبری وجبت له شفاعتی**۔ (جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے میرے شفاعت واجب ہوگئی)۔

اپنے پیارے حبیب کے پیارے شہر کے پیارے مقامات کی زیارت کے بعد تاریخ اسلام کا ایک ایک باب ذہن کی اسکرین پر اس طرح نمودار ہو گیا گویا یہ ماضی کی ایک تاریخ نہیں بلکہ حال کا ایک واقعہ ہے جو ہمارے سامنے وقوع پذیر ہو رہا ہے اور ہم عین یقین سے ان کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ مدینہ منورہ کے قیام کے دوران مستقل یہ خیالات دل و دماغ کے اندر موجزن رہے کہ اللہ اللہ شہر مدینہ کتنی اچھی بستی ہے۔ ساتھ ہی یہ جذبات سینہ کے اندر انگڑائی لیتے رہے کہ کاش کہ ہمارا نام بھی ان لوگوں کی فہرست میں شامل کر لیا جائے جن کے لئے یہیں جینے اور مرنے کا فیصلہ مقدر کیا جا چکا ہے۔ کتنے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کو یہاں کی مکمل سکونت پذیری کا شرف حاصل ہے۔

ہم کو اقبال جب بھی اجازت ملے ہم بھی آقا کے دربار تک جائیں گے

مکہ کا سفر:

اتوار کی صبح دس بجے مکہ مکرمہ کے لئے روانگی ہوئی۔ اطلاع کے مطابق وقت متعین پر بس

آ کر ہوٹل کے سامنے لگ گئی اور ہم اس پر سوار ہو گئے۔بس کے نظام کے مطابق ڈرائیور نے ایک بار پھر ان مقامات مقدسہ کی زیارت کرائی جن کا ذکر اوپر گذر چکا ہے اور پھر پوری برق رفتاری کے ساتھ بس اپنی منزل کی طرف گامزن ہوگئی یہاں تک کہ بہت جلد ہی میقات پر پہنچ کر ڈرائیور نے بس روک دی اور ہم احرام پہننے کے لئے اتر گئے۔حکومت سعودیہ کی جانب سے غسل کرنے اور احرام باندھنے کے لئے مرد وعورت کے الگ الگ حماموں کا وہاں بہترین انتظام کیا گیا ہے۔ہم نے بھی باری باری الگ الگ حماموں میں داخل ہوکر غسل کیا اور احرام کی چادر پہن کر باہر نکلے۔باہر نکل کر دیکھا تو وہاں کا منظر ہی یک لخت بدلا ہوا نظر آیا، کہاں احرام سے پہلے مختلف رنگ کے کپڑوں میں ملبوس مختلف لوگ مختلف تہذیب وثقافت کا پتہ دے رہے تھے تو کہاں اب احرام کی دو چادروں میں لپٹے ہوئے ہر ایک کی زبان پر **لبیک اللھم لبیک** کا نغمۂ پر کیف دل بے کیف کو پر کیف بنا رہا تھا اور ہر ایک کے مقصد واحد پر دلالت کر رہا تھا۔احرام سے فراغت کے بعد دو رکعت نفل نماز ادا کی گئی اور کچھ ہی دیر بعد بس ایک بار پھر اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہوگئی اور نصف مسافت طے کرنے کے بعد ایک بڑے سے ریسٹورنٹ اور مسجد کے سامنے دوبارہ رکی جہاں ظہر اور عصر کی نماز ادا کرنی تھی۔نماز کی ادائیگی کے بعد دوپہر کا کھانا کھایا گیا۔کھانے سے فراغت کے بعد بس جب چلی تو اب اس کا اگلا اسٹاپ صرف وہی مقام تھا جس کے لئے سفر کی یہ ساری صعوبتیں برداشت کی جا رہی تھیں۔جیسے جیسے بس اپنی منزل سے قریب ہوتی جا رہی تھی لوگوں کے جذبات تھے کہ امنڈتے ہی جا رہے تھے۔پوری بس **لبیک اللھم لبیک** کی پر کیف صداؤں سے گونج رہی تھی۔جذبات کا عالم یہ تھا کہ لوگ شوق کے پیروں سے دوڑ کر نہیں بلکہ شوق کے پروں سے اڑ کر چشم زدن میں مطاف کعبہ کو پہنچ جانا چاہتے تھے۔بالآخر وہ وقت آ ہی گیا جب بس نے ہمیں مغرب کی نماز سے تھوڑا قبل مکہ مکرمہ کے جوہرۃ المنسی نامی ہوٹل کے سامنے اتار دیا۔ضروریات اصلیہ سے فراغت کے بعد ہم خانہ کعبہ کی زیارت اور عمرہ کی ادائیگی کے لئے نکل پڑے۔آج کل حرم میں توسیعی کام کے جاری ہونے کی وجہ سے انتظامیہ کی جانب سے مطاف کو گھیر کر بالکل تنگ کر دیا گیا ہے اور غیر محرم حضرات کا داخلہ اندر ممنوع کر دیا گیا ہے جس کی وجہ سے کافی ازدحام ہوتا ہے۔قارئین کے لئے یہاں ہم یہ واضح کر دیں کہ اوپر سے طواف کرنے میں دوری کافی بڑھ جاتی ہے جو کہ صنف نازک کے لئے ایک مشکل ترین امر ہے اس لئے ہم نے اپنی چھوٹی بچی کو اپنے ایک عزیز کے حوالہ کر صحن کعبہ میں داخلے کی کوشش کی اور راستہ کے تھوڑے

تغیر وتبدل کے بعد کامیابی حاصل ہوگئی۔اہلیہ محترمہ کا جذبہ اور اوران کی وارفتگی اس وقت دیدنی تھی۔ خانہ کعبہ کے بالکل قریب سے طواف کی سعادت نصیب ہوئی اور غلاف کعبہ کو پکڑ کر اپنے گناہوں کا اعتراف، اپنے رب کو منانے کی سعی، پوری امت مسلمہ بالعموم اور ہندوستانی مسلمانوں کے امن و امان کے لئے بالخصوص خوب دعائیں کیں۔طواف کے مکمل ہونے کے بعد دو رکعت نفل نماز ادا کی گئی اور اب باری تھی صفا ومروہ کے درمیان سعی کی، میں نے مختصراً حضرت ہاجرہ علیہا السلام کا وہ تاریخی واقعہ ایک باران کو سنادیا تا کہ یاد تازہ ہوجائے اور سعی کے دوران مہمیز کا کام کرے۔ابھی ہم سعی کر رہے تھے اور چھٹیں شوط میں داخل ہوئے تھے کہ ان عزیز کا فون آ گیا جنہوں نے ہماری بچی کو سنبھالنے کا بیڑہ اٹھا رکھا تھا اور بتایا کہ دوڈھائی گھنٹے کے برداشت کے بعد اب اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے اور کافی زور زور سے رونا شروع کر دیا ہے۔اس لئے ہم نے بعجلت تمام ساتواں چکر پورا کیا اور باہر واپس آ گئے۔باہر آ کر دیکھا تو انہوں نے بچی کو ایک نقاب پوش فلپینی عورت کی گود میں دے رکھا تھا جس کے پاس وہ کچھ راحت کی سانس لیتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔اس کے بعد اب عمرہ کا آخری رکن یعنی حلق کرانا باقی رہ گیا تھا جو ہم نے پورا کیا۔ان سارے ارکان کی ادائیگی میں کافی تاخیر ہو چکی تھی اور اپنے ساتھ ساتھ ان دونوں معصوم بچوں کو سنبھالنا بھی ایک مشکل ترین امر تھا اس لئے اب ہوٹل اور بستر استراحت کے علاوہ کوئی چارہ باقی نہیں رہ گیا تھا، چنانچہ ہوٹل کا رخ کیا گیا اور عشائیہ کے بعد ڈھیر ہوئے تو رات کب گذر گئی پتہ ہی نہیں چل سکا۔صبح دوبارہ مسجد حرم حاضری ہوئی اور نماز ظہر کی ادائیگی کے بعد جدہ جانے کا پروگرام بنا۔جدہ میں ہمارے ایک قریبی دوست اپنے اہل وعیال کے ساتھ مقیم ہیں۔چنانچہ مسجد حرم کے سامنے ٹیکسی اسٹینڈ سے ہی ایک ٹیکسی کے ذریعہ کچھ ہی دیر بعد ہم جدہ پہنچ گئے۔میزبان کے آفس اور وقت کی قلت کے پیش نظر ہم سیدھے جدہ کورنیش (ساحل سمندر) پہنچے جو کہ زیارت جدہ کا ایک اہم مقصد تھا اور کچھ دیر کی سیر وتفریح کے بعد واپس اپنے دوست کے گھر آ گئے جہاں وہ شدت سے ہمارا انتظار کر رہے تھے۔مغرب اور عشاء کی نماز وہیں ادا کر رات کا کھانا ہوا، مختلف موضوعات پر تبادلۂ خیالات ہوئے اور اس کے بعد مکہ مکرمہ واپسی ہوگئی۔مکہ پہنچے تو رات کے گیارہ بج چکے تھے، ازدحام کم ہو چکا تھا، اکثر لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس جا چکے تھے، جو لوگ باقی رہ گئے تھے وہ بھی پا بر کاب تھے، ہمارا بھی ارادہ ہوٹل جانے کا تھا لیکن رفیقۂ سفر کی خواہش کے احترام میں مسجد حرم کے صحن میں بیٹھ کر کچھ دیر باتیں ہوتی رہیں۔ (بقیہ ص:۸ پر)

حجاب کی حقیقت

مولانا حافظ سیّد عزیز الرحمٰن صاحب
نائب مدیر ''السیرۃ'' عالمی، ششماہی، کراچی

ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک روز وہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہما آپ ﷺ کے پاس حاضر تھیں کہ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آ گئے، یہ بڑے جلیل القدر نابینا صحابی تھے، انہی کے بارے میں تیسویں پارے کی تیسری سورت (سورۃ العبس) بھی نازل ہوئی تھی، انہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر موجودگی میں مدینہ منورہ میں آپ کی نیابت کا شرف بھی حاصل ہے۔ یہ واقعہ اس وقت کا ہے، جب حجاب کا حکم نازل ہو چکا تھا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو آتے ہوئے دیکھا تو ام المؤمنین حضرت ام سلمہ اور ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ تم دونوں پردے میں چلی جاؤ! حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے یہ سن کر عرض کیا کہ یارسول اللہ! وہ تو نابینا ہیں، وہ نہ تو ہمیں دیکھ سکتے ہیں، نہ پہچان سکتے ہیں، یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

افعمیا وان انتما ألستما تبصرانه (ترمذی/ج۴، ص ۳۵۷. رقم۲۷۸۷)

کیا تم بھی نابینا ہو؟ اور تم بھی اسے نہیں دیکھ سکتیں؟

اسے ترمذی اور ابوداؤد کے ساتھ ساتھ مسند احمد میں بھی روایت کیا گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس روایت کے بعد نہ تو کسی قسم کا ابہام باقی رہتا ہے، نہ کوئی شبہ برقرار رہتا ہے، بلکہ اگر اسے دیگر روایات اور قرآنی آیات کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حجاب میں، جس کی ضرورت وفرضیت کے باب میں سبھی متفق ہیں، چہرہ نہ صرف شامل ہے بلکہ اس کا سب سے ضروری اور اہم حصہ ہے۔

اس سلسلے میں ایک اور واقعہ کافی اہمیت کا حامل ہے، غزوۂ بنی قریظہ کے موقع پر ام خلاد نامی

ایک خاتون کا بیٹا شہید ہو گیا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے اپنے بیٹے کے اجر وثواب کی بابت استفسار کیا، اس نے اس موقع پر اپنے چہرے پر نقاب ڈالا ہوا تھا، لوگوں نے از راہ حیرت اس سے سوال کیا کہ تمہارا بیٹا شہید ہو گیا ہے اور تم نے چہرے پر نقاب ڈالی ہوئی ہے؟ ان کا مقصد یہ تھا کہ جوان العمر بیٹے کے سوگ میں تمہیں سر اور چہرہ نہیں ڈھانپنا چاہئے تھا، اس صحابیہ خاتون کا جواب بڑا ایمان افروز تھا، اس نے کہا:

ان ارزا ابنی فلن ارزا حیائی

اگر میں نے بیٹا گم کر دیا ہے تو حیا تو ہرگز گم نہ کر دوں گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بشارت دیتے ہوئے فرمایا:

ابنک له اجر شهيدين

تیرے بیٹے کو دو شہیدوں کا اجر ملا ہے۔

ام خلاد نے سوال کیا کہ اس دہرے اجر کا کیا سبب ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا:

لانه قتله اهل الكتاب (ابو داؤد/ ج ۲، ص ۳۴۰. رقم ۲۴۸۸)

کیونکہ اسے عیسائیوں نے قتل کیا ہے۔

اس روایت میں بہت سے پہلو ہمارے لئے لائق توجہ ہیں:

ایک تو یہ کہ پردہ اس دور میں رائج تھا، نہ صرف رائج تھا بلکہ مسلمان کی پہچان اور حیا کی علامت تصور کیا جاتا تھا، ورنہ جن لوگوں نے اس کے نقاب پر حیرت ظاہر کی وہ یہ نہ کہتے کہ صدمے کی حالت میں بھی تم نے پردہ کیا ہوا ہے، بلکہ ان کا اعتراض یہ ہوتا کہ تم نے یہ چہرے کے چھپانے کا مسئلہ کہاں سے لیا؟ اسلام میں تو یہ شرط نہیں ہے؟ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خاموش رہ کر اس کے اس عمل کو قبولیت کی سند دی اور تقریر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مسئلہ تقویت پا کر شریعت مطہرہ کی دلیل اور نص صریح بن گیا۔

قرآن کریم میں تو یہ مسئلہ بہت واضح ہے، جس میں صاف طور پر عورت کے چہرے سمیت تمام مظاہر زینت کو نامحرم مردوں سے چھپانے کا حکم دیا گیا ہے، مثال کے طور پر سورۂ احزاب میں فرمایا گیا:

وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعاً فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ (الاحزاب:۵۳)

اور جب تم پیغمبر (علیہ الصلاۃ والسلام) کی بیویوں سے کچھ سوال کرو تو پردے کے پیچھے سے کرو۔

پھر اسی آیت میں اس حکم کا سبب اور وجہ بھی بیان فرمادی:

ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ (الاحزاب:۵۳)

یہ حجاب تمہارے اور ان کے دلوں کے لئے پاکیزگی کا بہترین ذریعہ ہے۔

اسی سورۂ احزاب میں دوسرے مقام پر فرمایا:

وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِكُنَّ وَ لاَ تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّة الْاُوْلیٰ ۔(الاحزاب:۳۳)

اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور زمانہ جاہلیت کی طرح اپنی زیب وزینت کا اظہار نہ کرو۔

صرف یہی نہیں کہ خواتین کیلئے حجاب کا حکم ہے بلکہ ہر اس کام کی ممانعت کی گئی جو ان کی طرف مردوں کے ادنیٰ میلان کا بھی سبب بنتا ہو۔مثال کے طور پر سورۂ نور میں خواتین کو یہ حکم دیا گیا:

وَلاَ یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مَنْ زِیْنَتِهِنَّ (النور:۳۱)

اور عورتیں اپنے پاؤں (زمین پر) زور زور سے مار کر نہ چلیں، کہ ان کی پوشیدہ زینت معلوم ہو جائے۔

یعنی پیروں کے چلنے کی آواز سے بھی اگر کسی کے متاثر ہونے اور اس جانب متوجہ ہونے کا امکان یا خدشہ ہو تو اس سے بھی بچنے کا حکم ہے اسی لئے یہ عام حکم ہے کہ پیر آہستگی سے زمین پر رکھیں اور اپنی چال کو دھیما رکھیں، تا کہ ان کی آواز پیدا نہ ہو۔اسی آیت کی تفسیر میں علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اس عورت کے لئے ہر ایسی حرکت ممنوع ہے، جس سے اس کی چھپی ہوئی زینت کا اظہار ہوتا ہو، یہاں تک کہ اسے عطر اور خوشبو لگا کر گھر سے باہر نکلنا بھی ممنوع ہے۔(تفسیر ابن کثیر/ج۲، ۲۸۵)

ہمارے لئے یہ مقام تفکر ہے کہ خواتین کے لئے صرف خوشبو لگانا بھی منع ہے، یعنی اگر چہرہ کھلا ہوا نہ ہو، بلکہ شرعی حجاب میں مستور ہو، تب بھی انہیں خوشبو لگانے کی اجازت نہیں کہ وہ بھی غیر مردوں کو متوجہ کرنے کا باعث بن سکتی ہے، سو ایسے میں چہرے ہی کو کھولنے کا حکم یا اجازت دے دی جائے؟ یہ کیسے ممکن ہے؟

اصل میں یہ سوالات اسلام کے مزاج کو اس کی اہمیت کے مطابق نہ سمجھنے سے پیدا ہوتے ہیں، اسلام کا ایک خاص اصول یہ ہے کہ وہ ہر برائی کو پیدا ہونے سے قبل ہی ختم کردینے کا قائل ہے، وہ نہ صرف برائی پنپنے نہیں دیتا، بلکہ وہ ہر اس رخنے کو بند کردینے کا قائل ہے، جہاں سے کسی بھی وقت اور کسی بھی صورت برائی داخل ہوسکتی ہے، پردہ اور حجاب بھی اس سلسلے کا ایک حصہ ہے۔ پردہ بذاتِ خود کوئی مطلوب نہیں، لیکن چونکہ وہ ایک بہت ہی بڑی برائی سے بچنے کے لئے ضروری ہے، اس لئے اس کا حکم اس شدومد سے دیا جاتا ہے۔ پھر اس مقصد کے لئے چہرہ بنیادی اہمیت کا حامل ہے، اس لئے یہ ہدایت لازمی طور پر اور سب سے پہلے حکم حجاب میں شامل ہوگی۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ انسان کو پورے جسمِ انسان میں خوبصورتی اور حسن کے اعتبار سے کون سا عضو سب سے پہلے متاثر کرتا ہے اور اپنی جانب مائل کرنے کی سب سے زیادہ اہلیت رکھتا ہے؟ کیا وہ انسان جو عورت کے جسم سے اٹھنے والی خوشبو سے متاثر ہوسکتا ہو، جسے عورتوں کے چال اور ان کے قدموں کی آواز اپنی جانب مائل کرلیتی ہو، جسے عورت کے جسم کے دیگر حصے مثلاً پیر وغیرہ اپنی جانب کھینچ لیتے ہوں، اسے عورت کا چہرہ متاثر نہیں کرے گا؟ وہ جب کسی خوبصورت چہرے کو دیکھے گا تو اس کے جذبات میں کسی قسم کا ارتعاش پیدا نہیں ہوگا؟ کیا استدلال تسلیم کیا جاسکتا ہے؟

اسی سوال کو ایک اور پہلو سے بھی دیکھا جاسکتا ہے، آرائش و زیبائشِ حسن کے لئے جو اقدامات عصرِ حاضر میں رائج ہیں اور خصوصاً بیوٹی پارلرز جن پر خصوصی توجہ دیتے ہیں، ان میں اولیت اہمیت اور ترجیح کس چیز کو حاصل ہے؟ کیا سب سے زیادہ وقت، سب سے زیادہ دولت اور سب سے زیادہ صلاحیت چہرے کی نگہداشت اور اس کی زیبائش پر صرف نہیں ہوتی؟ اگر جواب اثبات میں ہے اور یقیناً اثبات میں ہے تو پھر چہرے کو کس بنیاد پر حجاب کی تعریف اور اس کے حکم سے خارج کیا جاسکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ ہمیں غور وفکر کی توفیق اور فہمِ سلیم عطا فرمائے۔ آمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلامی معاشرے میں
عورت کا مقام، حقوق واختیارات

مولانا مفتی محمد اشرف علی صاحب
بانی ومینیجر خالد بن ولید پبلک اسکول، محمد پور، اعظم گڈھ

اسلام دینِ برحق ہے، جو درحقیقت نام ہے ان نظریات واحکامات کے مجموعے کا جنہیں خالقِ کائنات نے انسانوں کی رہبری کے لئے، اپنی جانب سے نازل فرمایا ہے۔ چنانچہ مرد وعورت دونوں سے متعلق اصولِ زندگی اور ضابطۂ حیات اسلام فراہم کرتا ہے، اس لئے اس کی نظر میں مرد کی طرح عورت بھی اس کائنات کی ایک عظیم ہستی ہے۔

ایک عورت اگر دنیا وآخرت میں کامیابی وکامرانی چاہتی ہے تو اسے اسلامی شریعت کی پاس داری بہر حال کرنی ہوگی اور خود کو احکام الہیہ کا پابند بنانا ہوگا؛ خواہ وہ ایمانیات وعقاید سے تعلق رکھتے ہوں یا عبادات ومعاشرت سے، اور خواہ وہ اس کے مزاج ورِواج کے موافق ہوں یا مخالف۔

عورت کے لئے شرعی احکام کی نوعیت:

اسلامی احکام کے تعلق سے یہ بات اجمالی طور سے جاننی چاہئے کہ بعض احکام مرد وعورت دونوں کے لئے یکساں ہیں، (جیسے: ایمان، نماز، روزہ، حج وزکوٰۃ کی فرضیت وغیرہ) اور بعض احکام مردوں کے ساتھ مخصوص ہیں (جیسے امامت، خلافت وغیرہ) اور بعض صرف عورتوں سے تعلق رکھتے ہیں (مثلاً: عدت، سفر میں محرم کا ساتھ ہونا، وغیرہ) ثانی الذکر کے علاوہ باقی دونوں قسم کے احکام اس کے لئے لازم وضروری ہیں۔

عورت کی حیثیت ومقام......نظام قدرت کے آئینے میں

خَلقی اور پیدائشی طور پر عورت مرد کی طرح کائنات کی تمام چیزوں سے افضل وبرتر ہے،

قدرت نے اسے بھی ان تمام خوبیوں سے مزین کیا ہے جن کی بنا پر وہ ہر مخلوق سے ممتاز، کائنات کی مخدوم، اور قدرت کا شاہ کار ہونے میں مرد کے ساتھ برابر کی شریک ہے، اسے بھی قوتِ گویائی عطا کی گئی ہے، عقل وخرد سے نوازا گیا، کرامت وشرافت کا تاج پہنایا گیا۔

تاہم جب مرد وعورت کا ایک دوسرے کے بالمقابل جائزہ لیا جاتا ہے تو یہ بات روزِ روشن کی عیاں ہو جاتی ہے کہ مرد کو عورت پر تخلیقی طور پر تفوق اور برتری حاصل ہے، قدرت نے مرد کی تخلیق اس انداز سے کی ہے کہ وہ مشکل کاموں کو انجام دے سکے، بلند و بالا عزائم کو بروئے کار لا سکے۔

اس کے برعکس عورت ''صنفِ نازک'' ہے اور اس کی نزاکت و لطافت کی وجہ سے (اقبالؒ کے بقول) تصویرِ کائنات رنگین و دل کش ہے، وہ مرد کی بنسبت کم ''زور'' وکم ہمت ہے، سریع الغضب (جلد غصہ ہونے والی) اور جلد گھبرا جانے والی ہے، گھریلو اور چھوٹے کاموں میں اس کا ذہن خوب چلتا ہے، بچوں کی نفسیات سمجھنے اور ان کی پرورش وتربیت میں اس کا کوئی ثانی ہے نہ بدل، وغیرہ وغیرہ، یہی قدرت کا فیصلہ اور فطرت کا ضابطہ ہے، اس حقیقت کا انکار سورج کی روشنی کے انکار کے مرادف ہے اور اس کو مسترد کر دینا فطرت سے بغاوت کہلاتا ہے۔

مرد کے بالمقابل عورت کی حیثیت:

اسلام دینِ فطرت ہے، یہ اسی ذات کی جانب سے نازل کیا گیا ہے، جس نے مرد وعورت کی تخلیق ہے، اس لئے اسلامی نقطۂ نگاہ سے ''عورت کی حیثیت'' کا تعین ہی اصل، افراط وتفریط سے پاک اور مبنی بر اعتدال ہوگا۔

قرآنِ کریم میں مرد کو عورت کا ''قوّام'' یعنی حاکم ونگراں کہا گیا ہے، (نساء ۳۴) اسی آیت میں آگے ہے ''فَاِنْ اَطَعْنَکُم'' (پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کریں) اس میں عورت کو مرد کی اطاعت کا حکم ہے، وراثت کے باب میں '' لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ ''(النساء:۱۱) ارشاد فرمایا، یعنی ایک مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ ملے گا، میرے علم کے مطابق قرآنِ کریم میں صنفی طور پر مرد وعورت کا تذکرہ ''**ذکر**'' اور ''**انثی**'' کے لفظ سے پانچ مرتبہ (سورۂ آلِ عمران ۱۹۵، النساء ۱۲۴، النحل ۹۷، مومن ۴۰، الحجرات ۱۳، میں) آیا ہے اور ہر مقام پر ذکر کرنے میں مرد کو عورت پر مقدم کیا گیا ہے، جس سے مرد کی برتری کی جانب اشارہ ہوتا ہے ۔

جب حضرت ام سلمہ ام المومنین رضی اللہ عنہا عورتوں کے جذبات کی ترجمان بن کر بارگاہِ

رسالت مآب میں حاضر ہوکر قرآنی آیات میں مردوں کے بالمقابل عورتوں کا تذکرہ ''نہ ہونے کے برابر'' کا شکوہ کرتی ہیں تو رحمت الٰہی جوش میں آ کر ان کی دل بستگی کے واسطے ایک طویل آیت (الاحزاب:۳۶۱) نازل کرتی ہے، جس میں اسلام لانے والی، ایمان قبول کرنے والی، بندگی کرنے والی، سچائی کی خوگر، صبر کی پیکر، خاکساری کی مظہر، صدقۂ وخیرات کی دل دادہ، روزہ رکھنے کی شائق، عفت و پاک دامنی کی علم بردار اور رب العالمین کے ذکر وتذکرہ کی لذتوں سے آشنا، عورتوں کا صراحتاً ذکر کیا جاتا ہے اور ان کے لئے ان کے رب کی جانب سے مغفرت کا وعدہ کیا تا ہے، اور اجرِ عظیم کا مژدہ سنایا جاتا ہے؛ مگر ......مردوں کے تذکرے کے ساتھ؛ بل کہ مردوں کے تذکرے کے بعد............جی ہاں منشائے الٰہی یہی ہے۔

شریعت میں صرف عورتوں کی گواہی کا اعتبار نہیں کیا گیا، اور اگر عورت کے ساتھ مرد بھی گواہ ہو تو قرآن کا حکم ہے کہ ایک مرد کے ساتھ دو عورتوں کا ہونا ضروری ہے (البقرہ:۲۸۲) اور اگر صرف مرد ہوں تو دو مردوں کی گواہی کافی ہے، نکاح ختم کرنے، امامت، خلافت، امارت قضاء وغیرہ کا حق صرف مردوں کو دیا گیا ہے، مخصوص ایام میں نماز کی معافی، روزے کی تاخیر، عدت، حج اور سفر کے لئے محرم کی شرط، شوہر کی ناراضگی پر رات بھر فرشتوں کی طرف سے لعنت کی وعید، شوہر کی رضا کے ساتھ انتقال ہونے پر بلا حساب وعذاب جنت میں داخلے کی بشارت سے بھی مزاجِ شریعت اور منشائے نبوت کا پتہ چلتا ہے۔

تو کیا عورت بے حیثیت اور مظلوم ہے؟

اس کے باوجود عورت نہ مظلوم ہے، نہ ہی بے حیثیت، اسلامی معاشرے میں وہ بذاتِ خود ایک بڑی ''حیثیت'' اور غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے اور اس نے تاریخ کے مختلف ادوار میں اسلام و انسانیت کی بیش بہا خدمت انجام دی ہے۔

بذات خود عورت کی حیثیت ومقام

اسلام میں مومن عورت مختلف اعتبار سے، اعلیٰ حیثیت ومقام رکھتی ہے؛ اگر وہ ''ماں'' ہے تو اولاد کو حکم ہے کہ ''اس کے ساتھ احسان کرو، (نساء۳۶) اگر بوڑھی ہوجائے تو اس کی خدمت کرو اور اس کی کسی بات پر جو تم کو ناگوار لگے تو اسے ''اف'' تک نہ کہو، اسے ہرگز نہ جھڑکو، اس سے نرم لہجے میں احترام کے ساتھ گفتگو کرو، فرطِ محبت واطاعت میں اس کے سامنے جھکے رہو اور رب کریم سے اس کے

لئے رحمت کی دعا کرتے رہو'' (نساء:۲۳ مفہوم)

اور یہ بھی کہ: ماں کی خدمت کو لازم پکڑو؛ کیوں کہ جنت ماں کے قدموں کے پاس ہے (حاکم ۲۵۰۲) مرد پر سب سے بڑا حق اس کی ماں کا ہے، (حاکم: ۷۲۴۴) اسی لئے ایک صحابی کے دریافت کرنے پر کہ میرے حسنِ سلوک کا سب زیادہ حق دار کون ہے؟ آپ ﷺ کی زبانِ مبارک سے تین بار نکلا: ماں......پھر ماں......پھر ماں......اور پھر باپ (بخاری ۵۶۲۶)۔

عورت اگر بیٹی ہے تو: جسے بیٹیوں کے ذریعے، ان کی پرورش و پرداخت کے تعلق سے، آزمائش میں ڈالا گیا اور اس نے صبر سے کام لیا اور انھیں اپنی حیثیت کے موافق کھلایا، پلایا اور پہنایا تو یہ چیز اس کے لئے جہنم سے آڑ بن جائے گی۔ (احمد ۱۷۴۳۹) جس شخص کے کوئی بچی تھی اور اس نے اسے زندہ درگور نہیں کیا، اسے ذلیل نہیں کیا، اور نرینہ اولاد کو اس پر ترجیح نہیں دی، تو اللہ اسے جنت میں داخل فرمائیں گے (ابوداؤد ۵۱۴۸) جس نے تین یا دو بچیوں کی پرورش کی، ان کو اچھی تعلیم وتربیت سے آراستہ کرکے ان کا نکاح کردیا، ان کے ساتھ حسنِ سلوک کا معاملہ کیا تو اس کے لئے وعدۂ جنت ہے (ابوداؤد: ۵۱۴۹)

اور اگر بیوی ہے تو ''نیک بیوی بہترین سامانِ دنیا ہے'' (مسلم ۱۶۳۷) نیک بیوی سعادت مندی کی علامت ہے (ابن حبان ۴۰۳۲)۔

مومن عورت کے حقوق

عام طور پر ذہنوں میں یہ غلط فہمی راسخ ہے کہ حقوق صرف مردوں کے عورتوں کے ذمے ہیں ،جن کی ادائیگی ہر حال میں عورت کو کرنی ہوگی، اور بات میں وزن پیدا کرنے کے لئے ان آیات واحادیث کا سہارا لیا جاتا ہے جن میں:

''مرد کو عورت پر فوقیت دی گئی ہے اور عورت سے کہا گیا ہے کہ مرد کے حقوق کا خیال رکھے ،اس کی جان و مال، عزت وآبرو کی حفاظت کرے۔ (النساء: ۴۳ درمنثور) بہترین بیوی اسے قرار دیا گیا ہے جو اپنے ظاہر سے خاوند کے رنج کو مسرت میں تبدیل کردے، شوہر کا حکم بجالائے، اس کی غیر موجودگی میں اپنے نفس اور شوہر کے مال کی حفاظت کرے (نسائی ۹۸۶۱)۔ (ارشاد نبوی ہے): اگر میں کسی کو کسی شخص کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورتوں سے کہتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں۔ (ابوداؤد ۲۱۴۲)۔ مرد پر سب سے بڑا حق اس کی ماں کا ہے، اور عورت پر سب سے بڑا حق اس کے شوہر کا ہے۔ (حاکم: ۷۳۳۸) وغیرہ وغیرہ۔

حالاں کہ کتاب وسنت میں مردوں کے ذمہ بھی عورتوں کے حقوق بیان کئے گئے ہیں، اور نجات وبخشش کے لئے مردوں پر ان کی ادائیگی کو لازمی قرار دیا گیا گیا۔ چنانچہ ارشاد باری ہے: وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (الآیۃ، البقرۃ:۲۲۹)''عورتوں کے لئے بھی (مردوں پر) اسی طرح کے حقوق ہیں جس طرح کے حقوق عورتوں پر مردوں کے ہیں'': ذیل میں عورتوں کے چند حقوق کی جانب اشارہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

میراث:

''مومن عورت'' مردوں کی طرح میراث کی حق دار ہوتی ہے، چنانچہ ارشاد باری ہے :لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَکَ الْوالِدَانِ وَالْاَقْرَبُوْنَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَکَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ کَثُرَ نَصِیْباً مَفْرُوْضاً (نساء:۷)''والدین اور رشتہ داروں کے ترکہ میں مردوں کا حصہ ہے، اور اسی طرح والدین اور رشتہ داروں کے ترکہ میں عورتوں کا بھی حصہ ہے ،ترکہ کم ہو یا زیادہ، حصے متعین ہیں''۔

مہر، نان ونفقہ اور رہائش:

ارشادِ ربانی ہے 'وَآتُوْ النِّسَاءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةَ (النساء:۴)''عورتوں کو ان کی مہریں بخوشی ادا کرے''۔اور لِیُنْفِقْ ذُوْسَعَةٍ مِن سَعَتِه، وَمَنْ قُدِرَ عَلَیْهِ رِزْقُه' فَلْیُنْفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللّٰهُ:(طلاق:۷)''وسعت والا اپنی وسعت کے موافق بیوی کو خرچ دے اور تنگ دست بھی اللہ کے دئے ہوئے میں سے نفقہ دیا کرے''اور اَسْکِنُوْهُنَّ مِنْ حَیْثُ سَکَنْتُمْ مِنْ وُجْدِکُمْ (طلاق:۶) ''انہیں اپنی حیثیت کے موافق ان مکانوں میں ٹھہراؤ جہاں تم رہتے ہو''۔

اسی سلسلے میں ارشاد نبوی ہے: ان تطعمها اذا طعمت وتکسوها اذا کسوت ولا تضرب الوجه ولا تقبح ولا تهجر الا فی البیت

''تم پر بیوی کا حق یہ ہے کہ جب کھاؤ تو اسے بھی کھلاؤ، جب پہنو تو اسے بھی پہناؤ، چہرے پر نہ مارو، اسے بد دعا نہ دو، ناراض ہو کر گھر سے باہر نہ نکالو(۴۴۲۱)

ان نصوص سے معلوم ہوا کہ شادی کے بعد، مہر ادا کرنا، نان ونفقہ، اور رہنے کے لئے مکان دین، بیوی کے بنیادی حقوق ہیں، جو شوہر پر لازم ہیں۔

عورت کے اخلاقی حقوق:

مردوں کا یہ اخلاقی فریضہ ہے کہ وہ عورتوں کے ساتھ حسنِ معاشرت اختیار کریں ،نرمی کا برتاؤ کریں،ان کی ہلکی پھلکی غلطیوں کونظرانداز کریں،کوئی غلطی نظر آئے تو خوبیوں پر بھی نگاہ ڈال لیا کریں،ان کی دل جوئی کی کوشش کرتے رہیں،ان پر خرچ کرنے کوثواب کی چیز سمجھیں،دو یا دو سے زائد بیویاں ہوں تو ان کے ساتھ عدل وانصاف کریں؛چنانچہ ارشادربانی ہے:''وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (النساء۱۹)''عورتوں کے ساتھ خوش اسلوبی کی زندگی بسر کرو'اور نبی رحمتﷺ نے ارشادفرمایا:انما النساء شقائق الرجال ''عورتیں طبیعت ومزاج میں مردوں کے مشابہ ہوتی ہیں ''(ابوداود۲۳۶)''عورتوں کے ساتھ بھلائی کی وصیت قبول کرو؛ کیوں وہ تمہارے یہاں مقید ہیں،تم ان سے (حلال طریقے سے) نفع اٹھانے کے علاوہ ان کی کسی اور چیز کے مالک نہیں ہو ''(حاکم ۳۰۸۷)اگر کسی کی دو بیویاں ہیں اوراس کا جھکاؤ کسی ایک کی جانب ہوگیا (جس کی وجہ سے دوسری کی حق تلفی ہوئی تو) وہ قیامت میں اس طرح آئے گا کہ اس کے جسم کا ایک حصہ جھکا ہوا ہوگا (ابوداوَد۲۱۳۵)''میں تمہیں دو کمزوروں کے حق کے سلسلے میں مشقت میں ڈال کر جارہا ہوں : ۱۔بیوی۔۲۔یتیم کہ ان کی حق تلفی نہ ہو ورنہ مشقت میں پڑ جاوَگے''(احمد۹٦٦۴)۔

عورت کے اختیارات:

عورت بے بس،اور مجبور بھی نہیں ہے،اسلام نے اس کی عزت نفس کا پورا خیال کیا ہے،اور مختلف مواقع پر اپنے حق میں فیصلہ لینے کا اسے پورا اختیار دیا ہے،ایک بالغ عورت خرید وفروخت کرنے ،اپنے مال میں تصرف کرنے ،اپنے مال سے صدقہ کرنے ،ہدیہ دینے ،اپنا نکاح کرنے یا کسی کواپنے نکاح کا وکیل بنانے کا پورا اختیار رکھتی ہے،ان سب چیزوں میں دوسرے شخص کا فیصلہ اس کی مرضی کے بغیر،اس پر نافذ نہیں ہوگا،خواہ فیصلہ کرنے والا اس کا باپ ہو، بھائی ہو،شوہر ہو یا کوئی اور؛ گرچہ نکاح کے باب میں مستحب ، پسندیدہ اور حیا وصلہ رحمی کا تقاضا یہی ہے کہ عورت یہ معاملہ اپنے اولیاء کے حوالہ کردے؛ تاہم شرعاً اپنے نکاح کی مالک خود وہی ہے اوراس کی رضا واجازت کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوگا۔

قرنِ اول میں اس ''اختیار'' کی کچھ عمدہ عملی مثالیں بھی ہمیں مل جاتی ہیں مثلاً:ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ پہلے حضرت ابوسلمہؓ کے نکاح میں تھیں، بیوہ ہوگئیں،عدت گذرنے کے بعد نبی اکرم

ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے ، ساتھ میں حضرت عمرؓ بھی تھے ، آپؐ نے انہیں نکاح پیغام دیا ، آپ تصور کیجئے ! یہ پیغام نکاح کائنات کی سب سے عظیم ہستی کی طرف سے تھا ، جس کی خوشی ساری کامرانیوں کی کلید اور جس کے حکم کا انکار کسی صحابیؓ تو کیا کسی ادنیٰ مسلمان سے ممکن نہیں ؛ پھر بھی حضرت ام سلمہؓ یہ کہتے ہوئے نکاح سے معذرت کر لیتی ہیں کہ :

''آپ کا پیغامِ نکاح سر آنکھوں پر ؛ تاہم میرے بچے زیادہ ہیں ، میری عمر بھی اب نکاح کی نہیں رہی ، اور میرے اندر غیرت وحیا کا

مادہ بہت زیادہ ہے ، آپ کی زوجیت میں رہتے ہوئے اگر کبھی میری طرف سے آپ کو کوئی تکلیف پہونچ جائے تو یہ بات میرے لئے نا قابل تحمل ہوگی'' (معجم طبرانی)

یہ سن کر آپؐ واپس تشریف لائے اور نہ ان پر کوئی دباؤ ڈالا اور نہ ہی کبیدہ خاطر ہوئے ؛ ہاں بعد میں حضرت عمرؓ کی کوشش اور نبی اکرم ﷺ کے ہمت بندھانے سے آمادہ ہو گئیں اور نکاح ہو گیا ۔

مدینہ میں مغیثؓ نامی ایک غلام شخص تھے ، بریرہ نام کی ایک خوبصورت باندی سے ان کا نکاح ہوا ، مغیث کالے اور صورتاً بہت اچھے نہ تھے ، حضرت عائشہؓ نے بریرہؓ کو خرید کر آزاد کر دیا ، بریرہ کو غلامی سے آزادی مل گئی تو اسلامی قانون کی رو سے انہیں مغیث کے ساتھ رہنے یا نہ رہنے کا اختیار ملا ، وہ مغیث سے بیزار تھیں اور ان سے چھٹکارہ چاہتی تھیں ، ادھر شدتِ محبت کی وجہ سے مغیث کسی طرح انہیں کھونا نہیں چاہتے تھے ، اب منظر یہ تھا کہ مغیث بریرہ کے پیچھے پیچھے چکر لگاتے ، روتے اور آنسوؤں سے رخسار تر کر لیتے اور لوگوں سے اپنی اہلیہ کو سمجھانے کی التجاء کرتے رہتے ، بات بارگاہِ رسالت مآب تک پہونچی ، آپ کو مغیث کے حال پر ترس آ گیا ، آپؐ نے بریرہ کو بلوایا ، مغیث بھی اس امید پر پہونچ گئے شاید بات بن جائے گی ، آپؐ نے بریرہ سے کہا : ''اللہ سے ڈرا اور اپنے ''اختیار'' کو مغیث کے حق میں استعمال کر لے نہ کہ ان کے خلاف ؛ کیوں کہ یہ تیرے شوہر ہیں اور ان سے تیری اولاد بھی ہے'' حضرت بریرہؓ نے عرض کیا : یا رسول اللہ ! یہ آپ کا حکم ہے یا سفارش اور مشورہ ؟ آپنے فرمایا : حکم نہیں ، سفارش سمجھو ، حضرت بریرہؓ نے فرمایا : پھر تو مجھے ان کی ضرورت نہیں ، چنانچہ ان سے جدا ہو گئیں ۔ (ابوداؤد ، ترمذی ، نسائی ابن ماجہ وغیرہ) ۔

اللہ تعالی زوجین کو اپنے اوامر پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین

☆☆☆☆☆

خاصانِ خدا کے آخری لمحاتِ زندگی

مولانا ضیاء الحق خیرآبادی

ماہنامہ ضیاء الاسلام کیلئے استاذی حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی علیہ الرحمہ نے درج بالا عنوان پر مجھے لکھنے کا حکم دیا، اور اس کی پہلی قسط کی تمہید اور تعارف میں یہ سطریں لکھیں:

اسلام کی حقانیت کی دلیلوں میں ایک بڑی معتبر دلیل موت سے بے خوفی، بلکہ موت سے محبت ہے، اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے فرمایا: اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ (سورۃ البقرۃ:۹۴) اگر اللہ کے ہاں دارِ آخرت یعنی جنت کی تمام نعمتیں صرف تمہارے ہی لئے مخصوص ہیں، دوسرے لوگوں کیلئے نہیں ہیں، تو تم مرنے کی آرزو کرو، اگر سچے ہو)

اس سے معلوم ہوا کہ صداقت وحقانیت کی دلیل اللہ تعالیٰ نے تمنائے موت کو قرار دیا ہے، کیونکہ جنت کا حصول اس سے بغیر ممکن نہیں ہے۔ پھر اللہ ہی نے یہ بھی بتادیا کہ یہ کبھی موت کی تمنا نہیں کرسکے گے: وَلَنْ يَتَمَنَّوْهُ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ (سورۃ البقرۃ:۹۵) اور یہ کبھی بھی موت کی تمنا نہیں کرسکتے ان اعمال (بد) کی وجہ سے جوان ہاتھ آگے بھیج چکے ہیں) موت کے وقت مرنے والے کو کتنا شوق ہوتا ہے؟ اس کے قلب کی حالت کس قدر مطمئن ہوتی ہے دنیا سے جدا ہونے پر کس درجہ خوشی ہوتی ہے؟ یہ معیار ہے کہ مرنے والا مذہب حق ہے، اور موت سے گھبراہٹ موت سے فرار! یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس میں کھوٹ ہے۔

عرصہ سے خیال تھا کہ اہل اللہ اور خاصان خدا کی موت کے وقت احوال بڑے ایمان افروز اور دلآویز ہوتے ہیں، خیال تھا کہ انہیں جمع کردیا جائے کہ مذہب اسلام کی حقانیت کے دلائل کا ایک نیا جہان دنیا کے سامنے آئے گا، اس کی فرمائش میں نے اپنے عزیز مولوی حافظ ضیاء الحق سلمہ، مدیر ضیاء الاسلام سے کی، وہ اس شمارے سے اس سلسلے کا آغاز کررہے ہیں، ابھی بلا لحاظ ترتیب حضرات اہل اللہ آخری لمحات زندگی قلمبند کرکے بالاقساط رسالہ میں شائع کئے جائیں گے، بعد میں انہیں کتابی شکل میں شائع کیا جائے گا۔ انشاء اللہ۔ (اعجاز احمد اعظمی)

چنانچہ اس کی پندرہ بیس قسطیں لکھی گئیں، اس کے بعد یہ سلسلہ موقوف ہوگیا، لیکن رہ رہ کر اس کا خیال آتا رہا کہ اس سلسلے کو دوبارہ شروع کیا جائے اور حضرت الاستاذ علیہ الرحمہ کی خواہش کے مطابق اسے کتابی شکل دی جائے، مجلّہ رشد وہدایت کے آغاز ہی سے اس کے شروع کردینے کا ارادہ تھا، لیکن یہ پورا نہ ہوسکا، آج مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب

کے سفر نامہ دہلی و دیو بند و سہارنپور الموسوم بہ '' ارمغان احباب'' یعنی[دہلی اور اس کے اطراف] کی تحقیق و تعلیق کے سلسلے میں کاروانِ ایمان وعزیمت میں مولانا خواجہ سید احمد صاحب نصیرآبادی کی وفات کے ایمان افروز حالات نظر نواز ہوئے تو جی چاہا کہ بلا کسی تاخیر کے یہ سلسلہ شروع کر دیا جائے، چنانچہ ان کے مختصر حالات کے ساتھ ان کی وفات کی تفصیل پیش خدمت ہے۔ ان شاء اللہ آئندہ یہ سلسلہ پابندی سے جاری رہے گا

مولانا خواجہ سید احمد صاحب نصیرآبادی کی وفات

مولانا سید خواجہ احمد نصیرآبادی، نصیرآباد ضلع رائے بریلی کے ایک ایسے خانوادے سے تعلق رکھتے تھے جو علم ظاہر وباطن دونوں کا جامع تھا۔ جب آپ کی والدہ نے حضرت سید احمد شہید علیہ الرحمہ کی خدمت میں اولاد نرینہ کے لئے دعا درخواست کی تو آپ نے فرمایا کہ '' انشاء اللہ فرزند ہوگا، جب وہ پیدا ہو تو اس کا نام اس کے جدامجد حضرت دیوان احمدؒ کے نام پر رکھا جائے، انشاء اللہ وہ فضل وکمال اور علوم دینی میں بعض اعتبار سے اپنے جدامجد سے سبقت لے جائے گا۔

آپ کی ولادت ۷؍جمادی الثانیہ ۱۲۴۱ھ کو دوشنبہ کے دن ہوئی، اتفاق یہ کہ اسی دن شام کو حضرت سید احمد شہیدؒ نے ہجرت کے ارادے سے رائے بریلی سے کوچ کیا تھا۔ آپ نے درسی کتابیں مختصر المعانی تک اپنے ایک عزیز بزرگ مولانا سید محمد نصیرآبادی سے پڑھیں جو شاہ اسمٰعیل شہید کے شاگرد اور حضرت سید احمد شہید کے خلیفہ تھے۔ ۱۲۵۴ھ میں آپ کے والد آپ کو مولانا سخاوت علی صاحب جونپوری کی خدمت میں لے گئے جو ایک بڑے عالم اور حضرت سید احمد شہیدؒ کے خلیفہ تھے، مولانا جونپوری اس وقت باندہ میں نواب ذوالفقار علی خاں والی باندہ کی طرف سے ریاست کے مفتی اور مدرسہ کے مہتمم تھے اور درس بھی دیا کرتے تھے، تین سال وہاں رہ کر مولانا جونپوری اپنے وطن واپس آگئے تو آپ بھی ان کے ساتھ جون پور آگئے، اور مزید ڈیڑھ سال رہ کر ۱۹؍سال کی عمر میں تعلیم سے فراغت حاصل کی، آپ کی ذہنی واخلاقی تربیت اور مسلک وخیالات میں سب سے زیادہ مولانا سخاوت علی صاحب کا دخل اور اثر تھا۔

آج کے دور میں تصوف وسلوک کو..... جو تزکیہ باطن کے لئے بنیاد واساس ہے..... چاہے جتنا مطعون کیا ہے، لیکن اس دور میں اسے اصلاح نفس کے لئے ایک لازمی جز خیال کیا جاتا تھا، آپ نے سب سے حضرت شاہ یار محمد صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی جو حضرت سید شاہ نجم الہدیٰ نصیرآبادی

کے خلیفہ تھے۔ ان کے بعد آپ نے اپنے استاد اور بھائی مولانا سید محمد بن اعلیٰ نصیر آبادی کے ہاتھ پر بیعت جو حضرت سید احمد شہیدؒ کے خلیفہ تھے۔ اپنے استاد اور شیخ کے انتقال کے بعد ۱۲۷۸ھ میں حج کے لئے تشریف لے گئے تو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے نواسے اور حضرت شاہ اسحاق صاحب کے چھوٹے بھائی مولانا شاہ محمد یعقوب صاحب دہلوی کی خدمت میں رہے اور ان کی خصوصی توجہ آپ پر رہی ان سے اجازت وخلافت حاصل کی اور علوم وظاہری و باطنی دونوں سے مالا مال ہوئے۔

حصول علم کے بعد آپ برابر ہدایت وارشاد میں مشغول رہے، اور حضرت سید احمد شہیدؒ کی طرح شہروں اور دیہات وقصبات کے سفر کئے، وعظ وتقریر اور تعلیم وتربیت کے ذریعہ جہل وضلالت اور بدعات وخرافات کی تاریکیوں کو دور کیا، جن جن علاقوں میں آپ کا دورہ ہوتا تھا وہاں سنت وشریعت کا نور پھیلتا گیا۔ بقول حضرت مولانا علی میاں ندوی: حصول علم کے بعد تادم واپسیں آپ ہدایت وارشاد میں مشغول رہے اور اپنی زندگی کا کوئی دن یہاں تک کہ مرضِ موت کا کوئی لمحہ ضائع نہیں کیا۔ (یہ تمام سوانحی معلومات ''کاروانِ ایمان وعزیمت'' سے لی گئی ہیں۔)

آپ کی وفات کا مفصل حال مولوی حکیم فخر الدین صاحب خیالیؔ (جد امجد مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی) کی زبانی سنئے:

''حضرت دموی المزاج تھے، ایک مرتبہ خدا کی مشیت سے ضعف بہت ہوگیا، خدام کی مجلس میں آپ نے ذکر فرمایا، ایک ناواقف نے قصداً نہیں بلکہ قوت پیدا کرنے کے خیال سے ناواقفیت کی بنا پر کشتوں کی قسم کی کوئی دوا دیدی، حضرت نے نوش فرمائی، انہیں مہینوں میں کچھ انڈوں کا استعمال بھی زیادہ ہوا، اس کی حرارت سے خون میں کچھ جوش پیدا ہوگیا، اور چند دنوں میں بہت بڑھ گیا، لیکن مسہلات اور مناسب تدابیر سے اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ شکایت زائل ہوگئی، اور آپ کو آرام ہوگیا، عین مسہل کے زمانے میں ہیضہ پھیل گیا، مسہل ہیضہ میں تبدیل ہوگیا، کئی سو کی تعداد میں اسہال کی نوبت آئی، اور صحت سے مایوسی ہوگئی، لیکن '' **فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمة**'' اس ہیضہ اور اسہال سے اصل مرض کا مادہ خارج ہوگیا، اور مکمل صحت ہوگئی، کچھ دنوں کے بعد قوت بھی آگئی، لیکن کافی مدت تک وطن میں قیام کرنے کے بعد خدام کی درخواست پر پورب کے نواح کا سفر اختیار فرمایا، اور اس میں مرض کے اثرات سے پورا پرہیز اور احتیاط نہ ہوسکی، اور دوسرے سال پھر اس نے عود کیا، اگرچہ اس اعادہ میں بہت سی مناسب تدابیر عمل میں لائی گئیں، اور سیکڑوں روپیہ خرچ ہوا لیکن مرض باوجود

اس کے کہ اس کا بڑا حصہ زائل ہو چکا تھا، لیکن مادہ زائل نہ ہوا اور صحت نہ ہوسکی، یہاں تک کہ یک شنبہ ۲۸/ جمادی الاول ۱۲۸۹ھ سے غذا بالکل ترک ہوگئی، اور دوا کا استعمال بھی چھوٹ گیا، دونوں سے بے رغبتی پیدا ہوگئی، اسی روز سے مرض کی زیادتی کے باوجود سلطان الذکر جاری ہوگیا، یہاں تک کہ لطائف ستہ میں سے ہر عضو حرکت میں آ گیا، اور جا بجا جسم شریف میں عضو معلوم ہوتا تھا کہ اڑ رہے ہیں، قلب کی حرکت سب سے زیادہ تھی، اور اسی وجہ سے تمام اعضا میں شدت سے درد پیدا ہوگیا، اگر چہ یہ حالت دو تین روز رہی لیکن انتقال کا وقت جتنا قریب آتا گیا حرکت اور درد بڑھتا گیا، یہاں تک سہ شنبہ ۳۰/ جمادی الاول کو ان باتوں میں انتہا درجہ کی زیادتی اور شدت پیدا ہوگئی، دل کی جگہ دونوں ہاتھوں سے تھامے بغیر چارہ نہ تھا، لیکن مضبوط تھامنے کے باوجود حرکت کی تیزی اور قوت کی وجہ سے پھسل جاتا تھا، مریدین کو اس روز عجیب کیفیت حاصل ہو رہی تھی، اس روز صبح سے حضرت کی توجہ بڑی قوت کے ساتھ ان لوگوں پر تھی، اور ہر شخص اپنے درجہ کے مطابق اس سے حظ لے رہا تھا، انتقال کے روز قبلہ سے آپ کا رخ ہٹنے نہ پایا تھا، اگر چہ وہ بھی خواہ جو باطن سے بے خبر تھے، درد کے کم ہوجانے کے خیال سے مشرق کی طرف آرام فرمانے کو عرض کرتے تھے مگر آپ قبلہ سے رخ نہ ہٹاتے تھے، نماز اشراق کے بعد جو شخص بھی عیادت کے لئے آیا اس کو آپ نے اللہ ورسول کے اتباع کی وصیت فرمائی۔

سب سے پہلے آپ نے اپنے بھتیجے مولوی سید احمد حسن کو اللہ ورسول کی اتباع کی تاکید فرمائیں، اور فرمایا کہ تم کو خدا کے سپرد کیا، پھر خواجہ محمد فیض اللہ صاحب سے جو آپ کے سب سے بڑے خلیفہ تھے، فرمایا کہ تم معمول کے مطابق اول وقت اذان دینا، اور نوافل واوراد پر مداومت رکھنا، اور جو ذکر وشغل تم نے سیکھا ہے، اس میں ذاکر وشاغل رہنا، اور دوسروں کو ان کے سکھانے میں کوتاہی نہ کرنا، تم کو میں پہچانتا ہوں، دوسرا تمہاری قدر نہیں جان سکتا، علماءِ ظاہر تو بہت ہیں، اہل باطن کا دستیاب ہونا مشکل ہے، اسی طرح ہر ایک کو اس کی لیاقت کے مطابق وصیت فرمائیں، اور اپنا ہاتھ اپنے خادم خاص اللہ یار خاں پر رکھ کر فرمایا کہ تم نے حق خدمت ادا کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا، میری اولاد بھی اگر خدمت کرتی تو اس سے زیادہ نہ کرتی، میں تم سے بہت خوش ہوں، تم خیر وفلاح کی امید رکھو۔ لوگ ان وصیتوں کو سن کر اور یہ حالت دیکھ کر رونے لگے، حضرت نے ان کو تسلی دی اور فرمایا: پریشان خاطر مت ہو، اللہ سے امید منقطع نہ کرو، چونکہ پہلے سے وصیت کر دینا مستحب ہے اس

لئے یہ چند کلمے میں نے کہے، ورنہ میری طبیعت اچھی ہے، اگر کوئی مزاج پرسی کرتا (تو باوجود سکرات موت کے) استغفار وکلمہ ودعا کے سوا کوئی لفظ زبان پر نہ آتا، اس وقت یہ الفاظ بھی زبان مبارک پر آتے'' شکر ہے، احسان ہے، عنایت، یااللہ خیر'' اس وقت جو شخص عیادت کے لئے آتا اس سے مصافحہ فرماتے اور اس کا حال اور کیفیت مزاج اچھی طرح دریافت فرماتے، اور اسی طرح رخصت کرتے، اشراق کے بعد بار بار ظہر کو دریافت کرتے اور صبح سے قبض روح تک ارشاد و ہدایت میں مشغول تھے، حاضرین کو نصیحت فرماتے اور جو بیعت کا ارادہ رکھتا اس سے بیعت لیتے، چنانچہ چالیس آدمی کئی دفعہ کر کے اس روز بیعت ہوئے، جو شخص کسی مرض باطنی میں مبتلا تھا اس کو اس کے ازالہ کی نصیحتیں فرماتے، اور باوجود شدت مرض، ضعف اور سکرات موت کے دونوں طریقوں کے مطابق بیعت کرتے، یعنی ایک شاہ عبدالعزیز صاحب کے بیعت لینے کا طریقہ کہ اس میں بہت سے الفاظ ہیں، دوسرے سید احمد شہید قدس سرہ کا طریقہ جس میں اختصار ہے۔ بعض مخلصین نے آپ کے ضعف کو دیکھ کر عرض کیا کہ اس وقت مختصر طریقہ پر بیعت لیں، فرمایا: ان شاء اللہ دونوں طریقوں پر لوں گا، چنانچہ سید وجیہ الدین وغیرہ سے اسی طریقہ پر بیعت لی اس کے بعد طریقۂ دوم پر اقتصار فرمایا، لوگوں نے صاحبزادوں سید خلیل الرحمان اور سید عبداللہ اور دوسرے عزیزوں کے بچوں کو پیش کیا ، حضرت نے فرمایا کہ'' بیعت کی تین قسمیں ہیں، بیعت توبہ، بیعت ارشاد، اور بیعت تبرک، بچوں کے حق میں بیعت تبرک ہے اور دوسروں کے حق میں بیعت توبہ اور بیعت ارشاد ہے، حدیث میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ ایک بچہ کو سرور کائنات ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا، آں حضرت ﷺ نے اس سے بیعت نہیں لی، دست مبارک اس کے سر پر پھیرا اور دعائے برکت فرمائی، دوسری بار ایک آٹھ سال کے لڑکے کو پیش کیا گیا، آں حضرت ﷺ نے اس سے بیعت لی جیسے کہ'' القول الجمیل'' میں مذکور ہے، اگر کسی کو شک ہو، دیکھ لے''۔ ایک مرید نے عرض کیا کہ جناب کے فرمانے میں کسی کو شک ہوسکتا ہے، فرمایا نہیں اگر کسی کو شک ہو، دیکھ لے، اس کے بعد لڑکوں سے بیعت لی۔

عم محترم سید عبدالوہاب مرحوم نے بڑے صاحبزادے سید خلیل الرحمان کو خلافت عطا فرمانے کے لئے عرض کیا، حضرت نے ان کی کم عمری کو دیکھتے ہوئے انکار فرمایا، اور کہا کہ میں نے اپنے بزرگوں سے جو کچھ پایا ہے، وہ سید خلیل الرحمان، سید عبداللہ اور سید مقتدی (جو آپ کے بڑے بھتیجے تھے) کو دیا، باقی جو صالح اور لائق ہوگا، اس کو ان امور کی اجازت ہے۔

الحتصر ظہر سے دو گھنٹے پہلے نفی واثبات کی ضربیں بلند آواز سے اور پورے اطمینان کے ساتھ پیدا ہوگئیں، ظہر کی اذان کے قریب مولوی احمد حسن کو یاد فرمایا اور حاضر رہنے کی ہدایت کی، ظہر کا وقت ہو جانے کے بعد چار رکعت فرض سورہ کوثر واخلاص سے اللہ یار خان خادم کی گود میں تکیہ کے سہارے پورے اطمینان کے ساتھ ادا فرمائی، سر مبارک کچھ دیر تک اللہ یار خان کی گود میں رہا، باوجود اس کے کہ حاضرین نے دو تین مرتبہ خان موصوف سے کہا کہ نماز پڑھ آؤ، دوسرا آدمی بیٹھ جائے گا لیکن حضرت اس بارے میں خاموش رہے، جس وقت مولوی احمد حسن نے نماز کی اجازت چاہی، فرمایا جلد آنا، جب وہ واپس آ گئے تو اللہ یار خان سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ جب آدمی مر جائے تو اس کے دونوں ہاتھ اس کے پہلوؤں میں سیدھے رکھ دینے چاہئیں، اس کی آنکھ بند کر دینی چاہئیں اور اس کے پاؤں کو بستر پر سیدھا کر دینا چاہئے، اور پاؤں کے انگوٹھوں کو باندھ دینا چاہئے، ڈاڑھی کو کپڑے کے ٹکڑے سے باندھ دینا چاہئے، اس تقریر سے عموی مولوی سید عبدالوہاب صاحب نے کہا کہ (جو حضرت کے بڑے نسبتی بھائی تھے) آپ ایسی گفتگو کیوں فرماتے ہیں؟ لوگ اور پریشان اور مغموم ہوتے، فرمایا : میں مسئلہ بیان کرر ہا ہوں، اسی اثنا میں دو عورتوں نے بیعت کی درخواست کی، آپ نے اس کو عصر پر ملتوی رکھا، پھر فرمایا کہ جلد ہاتھ میں ہاتھ دو، پھر چند کلمات نصیحت آمیز، نماز وروزہ کی پابندی، لڑائی جھگڑے سے بچنے اور شرک و بدعات کے چھوڑنے کی تاکیدیں فرمائیں، اور فرمایا کہ مہلت زیادہ نہیں، پھر اس کے بعد فرمایا کہ ہمارے گھر میں رسوم وبدعات جیسے سہ ماہی، چہلم وغیرہ کچھ نہیں ہوتی، رسول مقبول ﷺ کی پیروی ضرور پیش نظر رہنی چاہئے، اسی اثنا میں برادرم سید محمد ایوب نے پھر اللہ یار خان کو نماز کی یاددہانی کرائی، حضرت نے فرمایا کہ معاملہ درست ہوگیا، پھر محمد مصطفیٰ خان، حاجی نعمت اللہ (جو آپ کے مریدین میں سے ہیں) کا نام لے کر فرمایا کہ ان کو اور دوسرے برادران دینی کو علی العموم سلام علیک کہنا، پھر اللہ یار خان کی گود چھوڑ دی، پاؤں پھیلا دیئے، بدن بستر پر رکھ دیا، اور فرمایا کہ دروازہ کھول دو، لوگوں کو باہر کر دو، اب کوئی مجھ سے مخاطب نہ ہو، کہ اس وقت میں اللہ کے ساتھ مواجہہ میں ہوں، پھر لب مبارک کو جنبش ہوئی اور روح مقدس بکمال بے تعلقی شاداں وفرحاں اوج فردوس کی طرف پرواز کر گئی، اور مضمون کلام '' الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب'' ظاہر ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون (کاروان ایمان وعزیمت۔ص ۱۵۵ تا ۱۶۰)

اڑتالیس سال کی عمر میں آپ کی وفات ہوئی، تاریخ وفات ۳۰ ر جمادی الاولیٰ ۱۲۸۹ھ۔

ایک استاذ کے دل میں لائق شاگرد کی محبت اور عقیدت!

(ہمارے فاضل دوست مولانا مفتی محمد یاسر صاحب قاسمی ناظم اعلیٰ جامعہ عربیہ احیاء العلوم نے ایک واٹس اپ گروپ ''پاسبان علم وادب'' میں ایک تحریر بھیجی، جس کو پڑھ کر آنکھیں بے اختیار چھلک پڑیں، دل اثر وتاثر کے ایک کیف میں ڈوب گیا، جی چاہا کہ اپنے قارئین کو بھی اس میں شریک کرلوں۔ (مدیر تحریر)

فیض الباری میں امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ کی محبت اور عقیدت سے لبریز ایک دلچسپ واقعہ قارئین کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں واقعہ یہ ہے کہ امام شافعی رح نے حجاز سے صرف دو مرتبہ سفر کیا ایک مرتبہ امام محمد کے پاس تشریف لے گئے اور ایک مرتبہ مصر تشریف لے گئے جہاں امام احمد بن حنبل رح مقیم تھے مصر پہنچ کر امام شافعی رح نے خواب میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں امام احمد بن حنبل کو بشارت دیدو کہ جلد ہی انہیں آزمائش میں مبتلا کیا جائے گا امام شافعی صاحب کی جب آنکھ کھلی تو شاگردوں سے کہا کہ یہ بشارت امام احمد تک کون پہنچائے گا امام مزنی جو امام طحاوی کے ماموں تھے عرض کرتے ہیں حضرت یہ خدمت میں انجام دینا چاہتا ہوں چنانچہ اجازت مل گئی اور امام احمد رحمہ اللہ کے پاس تشریف لے گئے اور جب انہیں بشارت دیا تو وہ رونے لگے اور کہنے لگے شاید میرے آقا نے میری کمزوری اور عاجزی کو محسوس کرلیا اس کے بعد اپنا کرتا اتار کر امام مزنی کو پیش کر دیا امام مزنی جب امام شافعی کے پاس واپس تشریف لائے تو امام شافعی نے دریافت کیا کہ امام احمد نے کچھ تمہیں دیا کہنے لگے ہاں یہ کرتا عطا کیا ہے امام نے فرمایا کرتا مانگ کر تمہیں مشقت میں نہیں ڈال سکتا اور نہ ہی یہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ کرتا مجھے دینے کی سخاوت کرو ہاں مگر یہ ضرور کہتا ہوں کہ یہ کرتا پانی میں بھگو دو اور اس کا نچوڑا ہوا پانی مجھے دیدو چنانچہ امام مزنی نے عمل کیا اور کرتے کا نچوڑا ہوا پانی لیکر آئے اور اسے امام شافعی رح کی خدمت میں پیش کیا امام صاحب نے اس پانی کو پیا اور اپنے سر چہرہ وغیرہ پر ملا یہ تھی، ایک استاذ کے دل میں لائق شاگرد کی محبت اور عقیدت!

محمد یاسر قاسمی

نعت رسول ﷺ

از:۔ڈاکٹر کلیم عاجز صاحبؒ، پٹنہ

یہ نعت حادثۂ فلسطین کے بعد ۱۹۶۷ء میں کہی گئی (کوچۂ جاناں، جاناں! ص:۲۸ ''نعتیہ مجموعہ'')

ان سے اے باد صبا حال ہمارا کہیو
غم سے تڑپے ہے کوئی درد کا مارا کہیو

ایک بھی واقعہ مت چھوڑیو سارا کہیو
کہہ کے ایک بار نہ چپ رہیو دوبارہ کہیو

ہم نہ جانے ہیں کوئی اور سہارا کہیو
جب کبھی چوٹ لگی ان کو پکارا کہیو

کل بھی ہم کون سا سرخاب کا پر رکھتے تھے
آج کیوں ہم سے کرے ہیں وہ کنارا کہیو

سب کی نظروں سے گرے جاتے ہیں ہم ان کیلئے
کیسے دیکھے ہیں وہ بیٹھے یہ نظارا کہیو

چارہ ساز اپنا جسے لوگ کہا کرتے تھے
اب وہی لوگ اسے کہتے ہیں بے چارا کہیو

آج آشفتہ و آوارہ پھرے ہے جس نے
شاہد وقت کی زلفوں کو سنوارا کہیو

جب بھی سیلاب بلا پوچھے ہے رستہ اپنا
وقت کر دے ہے اسی سمت اشارا کہیو

کل بھی تھا آج بھی ہے کل بھی رہے گا عاجز
نام ان کا ہمیں جی جان سے پیارا کہیو